تعلیمی نصاب 2024ء

Majlis Ansarullah Canada

We are the helpers of Allah

چوتھی سہ ماہی

اکتوبر تا دسمبر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قرآن کریم

پارہ ہفتم - وَ اِذَا سَمِعُوۡا - چوتھا ربع - سُوۡرَۃُ الۡاَنۡعَام - آیات: 75 تا 111

○

وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِيۡمُ لِاَبِيۡهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصۡنَامًا اٰلِهَةً‌ ۚ اِنِّىۡۤ اَرٰٮكَ وَقَوۡمَكَ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۷۵﴾

اور (یاد کر) جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کیا تو بتوں کو بطور معبود پکڑ بیٹھا ہے؟ یقیناً میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی کھلی گمراہی میں پاتا ہوں۔

وَكَذٰلِكَ نُرِىۡۤ اِبۡرٰهِيۡمَ مَلَـكُوۡتَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَلِيَكُوۡنَ مِنَ الۡمُوۡقِنِيۡنَ ﴿۷۶﴾

اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہت (کی حقیقت) دکھاتے رہے تا کہ وہ (مزید) یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيۡهِ الَّيۡلُ رَاٰ كَوۡكَبًا‌ ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّىۡ‌ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الۡاٰفِلِيۡنَ ﴿۷۷﴾

پس جب رات اس پر چھا گئی اس نے ایک ستارے کو دیکھا تو کہا (گویا) یہ میرا ربّ ہے۔ پس جب وہ ڈوب گیا تو کہنے لگا میں ڈوبنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

فَلَمَّا رَاَ الۡقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّىۡ‌ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَـئِنۡ لَّمۡ يَهۡدِنِىۡ رَبِّىۡ لَاَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡقَوۡمِ الضَّآلِّيۡنَ ﴿۷۸﴾

پھر جب اس نے چاند کو چمکتے ہوئے دیکھا تو کہا (گویا) یہ میرا ربّ ہے۔ پس جب وہ (بھی) ڈوب گیا تو

اس نے کہا اگر میرے ربّ نے مجھے ہدایت نہ دی ہوتی تو میں ضرور گمراہ لوگوں میں سے ہو جاتا۔

فَلَمَّا رَاَ الشَّمۡسَ بَازِغَۃً قَالَ ہٰذَا رَبِّیۡ ہٰذَاۤ اَکۡبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتۡ قَالَ یٰقَوۡمِ اِنِّیۡ بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِکُوۡنَ ﴿۷۹﴾

پھر جب اس نے سورج کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہا (گویا) یہ میرا ربّ ہے۔ یہ (ان) سب سے بڑا ہے۔ پس جب وہ بھی ڈوب گیا تو اُس نے کہا اے میری قوم! یقیناً میں اُس شرک سے جو تم کرتے ہو سخت بیزار ہوں۔

اِنِّیۡ وَجَّہۡتُ وَجۡہِیَ لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ حَنِیۡفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿ۚ۸۰﴾

میں تو یقیناً اپنی توجہ کو اس کی طرف ہمیشہ مائل رہتے ہوئے پھیر چکا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

وَحَآجَّہٗ قَوۡمُہٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوۡٓنِّیۡ فِی اللّٰہِ وَقَدۡ ہَدٰىنِ ؕ وَلَاۤ اَخَافُ مَا تُشۡرِکُوۡنَ بِہٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ رَبِّیۡ شَیۡئًا ؕ وَسِعَ رَبِّیۡ کُلَّ شَیۡءٍ عِلۡمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَکَّرُوۡنَ ﴿۸۱﴾

اور اس کی قوم اس سے جھگڑتی رہی۔ اس نے کہا کیا تم اللہ کے بارہ میں مجھ سے جھگڑتے ہو جبکہ وہ مجھے ہدایت دے چکا ہے اور میں ان چیزوں (کے گزند) سے بالکل نہیں ڈرتا جنہیں تم اس کا شریک بنا رہے ہو۔ (میں کچھ نہیں چاہتا) سوائے اس کے کہ میرا ربّ کچھ چاہے۔ میرا ربّ ہر چیز پر علم کے لحاظ سے حاوی ہے۔ پس کیا تم نصیحت نہیں پکڑو گے؟

وَکَیۡفَ اَخَافُ مَاۤ اَشۡرَکۡتُمۡ وَلَا تَخَافُوۡنَ اَنَّکُمۡ اَشۡرَکۡتُمۡ بِاللّٰہِ مَا لَمۡ یُنَزِّلۡ بِہٖ عَلَیۡکُمۡ سُلۡطٰنًا ؕ فَاَیُّ الۡفَرِیۡقَیۡنِ اَحَقُّ بِالۡاَمۡنِ ۚ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿ۘ۸۲﴾

اور میں اس سے کیسے ڈروں جسے تم شریک بنا رہے ہو جبکہ تم نہیں ڈرتے کہ تم ان کو اللہ کے شریک ٹھہرا رہے

ہو جن کے حق میں اس نے تم پر کوئی حجت نہیں اتاری۔ پس دونوں میں سے کونسا گروہ سلامتی کا زیادہ حقدار ہے اگر تم کچھ علم رکھتے ہو۔

اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ يَلۡبِسُوۡۤا اِيۡمَانَهُمۡ بِظُلۡمٍ اُولٰٓـئِكَ لَهُمُ الۡاَمۡنُ وَهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ﴿۸۳﴾
وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو کسی ظلم کے ذریعے مشکوک نہیں بنایا یہی وہ لوگ ہیں جنہیں امن نصیب ہوگا اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

وَتِلۡكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَيۡنٰهَاۤ اِبۡرٰهِيۡمَ عَلٰى قَوۡمِهٖ ؕ نَرۡفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنۡ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيۡمٌ عَلِيۡمٌ ﴿۸۴﴾
یہ ہماری حجت تھی جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے خلاف عطا کی۔ ہم جس کو چاہتے ہیں درجات میں بلند کر دیتے ہیں۔ یقیناً تیرا ربّ بہت حکمت والا (اور) دائمی علم رکھنے والا ہے۔

وَوَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ ؕ كُلًّا هَدَيۡنَا ۚ وَنُوۡحًا هَدَيۡنَا مِنۡ قَبۡلُ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيۡمٰنَ وَاَيُّوۡبَ وَيُوۡسُفَ وَمُوۡسٰى وَهٰرُوۡنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۸۵﴾
اور اس کو ہم نے اسحٰق اور یعقوب عطا کئے۔ سب کو ہم نے ہدایت دی۔ اور نوح کو ہم نے اس سے پہلے ہدایت دی تھی اور اُس کی ذرّیت میں سے داؤد کو اور سلیمان کو اور ایوب کو اور یوسف کو اور موسیٰ کو اور ہارون کو بھی۔ اور اسی طرح ہم احسان کرنے والوں کو جزا عطا کیا کرتے ہیں۔

وَزَكَرِيَّا وَيَحۡيٰى وَعِيۡسٰى وَاِلۡيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۸۶﴾
اور زکریا اور یحیٰی اور عیسیٰ اور الیاس (کو بھی)۔ یہ سب کے سب صالحین میں سے تھے۔

وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَالۡيَسَعَ وَيُوۡنُسَ وَلُوۡطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلۡنَا عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۸۷﴾
اور اسماعیل کو اور اَلْیَسَع کو اور یونس کو اور لوط کو بھی۔ اور ان سب کو ہم نے تمام جہانوں پر فضیلت بخشی۔

وَمِنۡ اٰبَآئِہِمۡ وَذُرِّیّٰتِہِمۡ وَاِخۡوَانِہِمۡ ۚ وَاجۡتَبَیۡنٰہُمۡ وَہَدَیۡنٰہُمۡ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۸۸﴾

اوران کے آباءواجداد میں سے اوران کی نسلوں میں سے اوران کے بھائیوں میں سے (بھی بعض کو فضیلت بخشی) اور اُنہیں ہم نے چُن لیا اور صراطِ مستقیم کی طرف اُنہیں ہدایت دی۔

ذٰلِکَ ہُدَی اللّٰہِ یَہۡدِیۡ بِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖ ؕ وَلَوۡ اَشۡرَکُوۡا لَحَبِطَ عَنۡہُمۡ مَّا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸۹﴾

یہ ہے اللہ کی ہدایت جس کے ذریعہ وہ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتا ہے راہنمائی کرتا ہے۔ اوراگر وہ شرک کر بیٹھتے تو ان کے وہ اعمال ضائع ہوجاتے جو وہ کرتے رہے۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحُکۡمَ وَالنُّبُوَّۃَ ۚ فَاِنۡ یَّکۡفُرۡ بِہَا ہٰۤؤُلَآءِ فَقَدۡ وَکَّلۡنَا بِہَا قَوۡمًا لَّیۡسُوۡا بِہَا بِکٰفِرِیۡنَ ﴿۹۰﴾

یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی۔ پس اگر یہ لوگ اس کا انکار کردیں تو ہم یہ (معاملہ) ایک ایسی قوم کے سپرد کردیں گے جو ہرگز اس کے منکر نہیں ہوں گے۔

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ ہَدَی اللّٰہُ فَبِہُدٰىہُمُ اقۡتَدِہۡ ؕ قُلۡ لَّاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ اَجۡرًا ؕ اِنۡ ہُوَ اِلَّا ذِکۡرٰی لِلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۱﴾

یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی۔ پس ان کی (اُس) ہدایت کی پیروی کر (جو اللہ ہی نے عطا کی تھی)۔ تو کہہ دے کہ میں تم سے اس کا کوئی اجر نہیں مانگتا۔ یہ تو تمام جہانوں کے لئے محض ایک نصیحت ہے۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدۡرِہٖۤ اِذۡ قَالُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنۡ شَیۡءٍ ؕ قُلۡ مَنۡ اَنۡزَلَ الۡکِتٰبَ الَّذِیۡ جَآءَ بِہٖ مُوۡسٰی نُوۡرًا وَّہُدًی لِّلنَّاسِ تَجۡعَلُوۡنَہٗ قَرَاطِیۡسَ تُبۡدُوۡنَہَا وَتُخۡفُوۡنَ کَثِیۡرًا ۚ وَعُلِّمۡتُمۡ مَّا لَمۡ تَعۡلَمُوۡۤا اَنۡتُمۡ وَلَاۤ اٰبَآؤُکُمۡ ؕ قُلِ اللّٰہُ ۙ ثُمَّ ذَرۡہُمۡ فِیۡ خَوۡضِہِمۡ یَلۡعَبُوۡنَ ﴿۹۲﴾

اورانہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسا کہ اس کی قدر کا حق تھا جب انہوں نے کہا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی

نہیں اُتارا۔ تو پوچھ وہ کتاب کس نے اتاری تھی جو موسیٰ روشنی اور ہدایت کے طور پر لوگوں کے لئے لایا تھا۔ تم اُسے ورق ورق بنا بیٹھے۔ کچھ اس میں سے ظاہر کرتے تھے اور بہت کچھ چھپا جاتے تھے حالانکہ تمہیں وہ کچھ سکھایا گیا تھا جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا۔ کہہ دے اللہ (ہی میرا سب کچھ ہے) پھر اُنہیں اپنی لچر باتوں میں کھیلتے ہوئے چھوڑ دے۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹۳﴾

اور یہ ایک مبارک کتاب ہے جسے ہم نے اتارا۔ اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس کے سامنے ہے تاکہ تُو بستیوں کی ماں اور اس کے اردگرد بسنے والوں کو ڈرائے۔ اور وہ لوگ جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس (کتاب) پر ایمان لاتے ہیں اور وہ اپنی نماز پر ہمیشہ محافظ رہتے ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِىَ اِلَىَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَىْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِىْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۴﴾

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ پر جھوٹ گھڑا یا کہا کہ میری طرف وحی کی گئی ہے جبکہ اس کی طرف کچھ بھی وحی نہیں کیا گیا اور جو یہ کہے کہ میں ویسا ہی کلام اتاروں گا جیسا اللہ نے اتارا ہے۔ اور کاش تو دیکھ سکتا جب ظالم موت کی یورشوں کے نرغے میں ہوں گے اور فرشتے ان کی طرف اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے (کہ) اپنی جانوں کو باہر نکالو۔ آج کے دن تم سخت ذلّت کا عذاب دیئے جاؤ گے ان باتوں کے سبب جو تم اللہ پر ناحق کہا کرتے تھے اور اس کے نشانات سے تکبر سے پیش آتے تھے۔

وَلَقَدۡ جِئۡتُمُوۡنَا فُرَادٰی کَمَا خَلَقۡنٰکُمۡ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّتَرَکۡتُمۡ مَّا خَوَّلۡنٰکُمۡ وَرَآءَ ظُہُوۡرِکُمۡ ۚ وَمَا نَرٰی مَعَکُمۡ شُفَعَآءَکُمُ الَّذِیۡنَ زَعَمۡتُمۡ اَنَّہُمۡ فِیۡکُمۡ شُرَکٰٓؤُا ؕ لَقَدۡ تَّقَطَّعَ بَیۡنَکُمۡ وَضَلَّ عَنۡکُمۡ مَّا کُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ ﴿۹۵﴾

اور یقیناً تم ہمارے پاس اکیلے اکیلے آ پہنچے ہو جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی بار (اکیلے اکیلے ہی) پیدا کیا تھا اور تم اپنی پیٹھوں کے پیچھے چھوڑ آئے ہو ان نعمتوں کو جو ہم نے تمہیں عطا کی تھیں اور (کیا وجہ ہے کہ) ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھ رہے جن کے متعلق تم گمان کرتے تھے کہ وہ تمہارے مفاد کی حفاظت میں (اللہ کے) شریک ہیں۔ تم آپس میں جدا جدا ہو چکے ہو اور تم سے وہ کھویا گیا ہے جسے تم (شریک) گمان کیا کرتے تھے۔

اِنَّ اللّٰہَ فَالِقُ الۡحَبِّ وَالنَّوٰی ؕ یُخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ وَمُخۡرِجُ الۡمَیِّتِ مِنَ الۡحَیِّ ؕ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ فَاَنّٰی تُؤۡفَکُوۡنَ ﴿۹۶﴾

یقیناً اللہ بیجوں اور گٹھلیوں کا پھاڑنے والا ہے۔ وہ زندہ کو مُردہ سے نکالتا ہے اور مُردے کو زندہ سے نکالنے والا ہے۔ یہ ہے تمہارا اللہ پس تم کہاں بہکائے جا رہے ہو۔

فَالِقُ الۡاِصۡبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّیۡلَ سَکَنًا وَّالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ حُسۡبَانًا ؕ ذٰلِکَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ﴿۹۷﴾

وہ صبحوں کا پھاڑنے والا ہے۔ اور اس نے رات کو ساکن بنایا ہے جبکہ سورج اور چاند ایک حساب کے تابع گردش میں ہیں۔ یہ کامل غلبہ والے (اور) صاحبِ علم کی (جاری کردہ) تقدیر ہے۔

وَہُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ النُّجُوۡمَ لِتَہۡتَدُوۡا بِہَا فِیۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ ؕ قَدۡ فَصَّلۡنَا الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۹۸﴾

اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے ستارے بنائے تاکہ تم ان کے ذریعہ خشکی اور تری کے اندھیروں میں ہدایت پا جاؤ۔ یقیناً ہم نے نشانات کو ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں خوب کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿٩٩﴾

اور وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔ پس عارضی قرار کی جگہ اور مستقل حفاظت کی جگہ (بنائی)۔ یقیناً ہم نے نشانات کو خوب کھول کھول کر بیان کر دیا ہے ان لوگوں کے لئے جو معاملہ فہمی سے کام لیتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ
حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ
مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿١٠٠﴾

اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا۔ پھر ہم نے اس سے ہر قسم کی روئیدگی پیدا کی۔ پھر ہم نے اس میں سے ایک سبزہ نکالا جس میں سے ہم تہ بہ تہ بیج نکالتے ہیں۔ اور کھجور کے درختوں میں سے بھی ان کے خوشوں سے بھرپور جھکے ہوئے تہ بہ تہ پھل اور اسی طرح انگوروں کے باغ اور زیتون اور انار، ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی اور نہ ملتے جلتے بھی۔ ان کے پھلوں کی طرف غور سے دیکھو جب وہ پھل دیں اور ان کے پکنے کی طرف۔ یقیناً ان سب میں ایک ایمان لانے والی قوم کے لئے بڑے نشانات ہیں۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا
يَصِفُوْنَ ﴿١٠١﴾

اور انہوں نے جنوں کو اللہ کے شریک بنا لیا ہے جبکہ اُسی نے انہیں پیدا کیا ہے۔ اور انہوں نے بغیر کسی علم کے اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لئے ہیں۔ پاک ہے وہ اور اس سے بہت بلند ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۭ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيْمٌ ﴿١٠٢﴾

وہ آسمانوں اور زمین کا عدم سے پیدا کرنے والا ہے۔ اس کی کوئی اولاد کہاں سے ہوگئی جبکہ اس کی کوئی بیوی ہی نہیں۔ اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کا خوب علم رکھتا ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿١٠٣﴾

یہ ہے اللہ تمہارا ربّ۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہر چیز کا خالق ہے۔ پس اُسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز پر نگران ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿١٠٤﴾

آنکھیں اس کو نہیں پا سکتیں ہاں وہ خود آنکھوں تک پہنچتا ہے اور وہ بہت باریک بین اور ہمیشہ باخبر رہنے والا ہے۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿١٠٥﴾

یقیناً تم تک تمہارے ربّ کی طرف سے بہت سی بصیرت کی باتیں پہنچ چکی ہیں۔ پس جو بصیرت حاصل کرے تو خود اپنے ہی نفس کے لئے کرے گا اور جو اندھا رہے تو اُسی (نفس) کے (مفاد کے) خلاف اندھا رہے گا اور میں تم پر محافظ نہیں ہوں۔

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿١٠٦﴾

اور اسی طرح ہم نشانات کو پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں تاکہ وہ کہہ اٹھیں کہ تُو نے خوب سیکھا اور خوب سکھایا اور تاکہ ہم صاحبِ علم لوگوں پر اس (مضمون) کو خوب روشن کر دیں۔

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٧﴾

تو اس کی پیروی کر جو تیرے ربّ کی طرف سے تیری طرف وحی کیا گیا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور

شرک کرنے والوں سے منہ پھیر لے۔

وَلَوۡ شَآءَ اللّٰہُ مَاۤ اَشۡرَکُوۡا ؕ وَمَا جَعَلۡنٰکَ عَلَیۡہِمۡ حَفِیۡظًا ۚ وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَیۡہِمۡ بِوَکِیۡلٍ ﴿۱۰۸﴾

اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے اور ہم نے تجھے ان پر محافظ نہیں بنایا اور نہ ہی تُو ان پر نگران ہے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدۡوًۢا بِغَیۡرِ عِلۡمٍ ؕ کَذٰلِکَ زَیَّنَّا لِکُلِّ اُمَّۃٍ عَمَلَہُمۡ ۪ ثُمَّ اِلٰی رَبِّہِمۡ مَّرۡجِعُہُمۡ فَیُنَبِّئُہُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۰۹﴾

اور تم ان کو گالیاں نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں ورنہ وہ دشمنی کرتے ہوئے بغیر علم کے اللہ کو گالیاں دیں گے۔ اسی طرح ہم نے ہر قوم کو ان کے کام خوبصورت بنا کر دکھائے ہیں۔ پھر ان کے ربّ کی طرف ان کو لوٹ کر جانا ہے۔ تب وہ انہیں اس سے آگاہ کرے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔

وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰہِ جَہۡدَ اَیۡمَانِہِمۡ لَئِنۡ جَآءَتۡہُمۡ اٰیَۃٌ لَّیُؤۡمِنُنَّ بِہَا ؕ قُلۡ اِنَّمَا الۡاٰیٰتُ عِنۡدَ اللّٰہِ وَمَا یُشۡعِرُکُمۡ ۙ اَنَّہَاۤ اِذَا جَآءَتۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾

اور وہ اللہ کی پختہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اگر اُن کے پاس ایک بھی نشان آجائے تو وہ اس پر ضرور ایمان لے آئیں گے۔ تو کہہ دے کہ ہر قسم کے نشانات اللہ کے پاس ہیں لیکن تمہیں کیا سمجھائے کہ جب وہ (نشانات) آتے ہیں وہ ایمان نہیں لاتے۔

وَنُقَلِّبُ اَفۡـِٕدَتَہُمۡ وَاَبۡصَارَہُمۡ کَمَا لَمۡ یُؤۡمِنُوۡا بِہٖۤ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّنَذَرُہُمۡ فِیۡ طُغۡیَانِہِمۡ یَعۡمَہُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾

اور ہم ان کے دلوں کو اور ان کی نظروں کو اُلٹ پلٹ کر دیتے ہیں جیسے وہ پہلی مرتبہ اس (رسول) پر ایمان نہیں لائے تھے اور ہم انہیں ان کی سرکشیوں میں سرگرداں چھوڑ دیتے ہیں۔

OO

حدیث

○

اللہ تعالیٰ کے نام کی عظمت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عنه قَالَ قَالَ النَّبِیُّ کَلِمَتَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمَانِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِیْمِ

(بخاري كتاب الرد على الجهنية ... باب قول الله يضع الموازين بالقسط)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو کلمے اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں۔ وہ زبان پر ہلکے ہیں مگر تول میں وزنی ہیں اور وہ ہیں: سُبحان اللّٰه وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیمِ۔

(منتخب احادیث (اُردو)۔حدیث نمبر 4۔صفحہ 4۔نظارت نشر واشاعت قادیان۔اگست 2016ء)

○○

نہیں۔ اگر سب لوگ مجھے چھوڑ دیں تو خدا ایک اور قوم پیدا کرے گا جو میرے رفیق ہوں گے۔ نادان مخالف خیال کرتا ہے کہ میرے مکروں اور منصوبوں سے یہ بات بگڑ جائے گی اور سلسلہ درہم برہم ہو جائے گا مگر یہ نادان نہیں جانتا کہ جو آسمان پر قرار پا چکا ہے زمین کی طاقت میں نہیں کہ اس کو محو کر سکے۔ میرے خدا کے آگے زمین و آسمان کانپتے ہیں۔ خدا وہی ہے جو میرے پر اپنی پاک وحی نازل کرتا ہے اور غیب کے اسرار سے مجھے اطلاع دیتا ہے۔ اُس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ اور ضروری ہے کہ وہ اس سلسلہ کو چلاوے اور بڑھاوے اور ترقی دے جب تک وہ پاک اور پلید میں فرق کر کے نہ دکھلاوے۔ ہر ایک مخالف کو چاہیے کہ جہاں تک ممکن ہو اِس سلسلہ کے نابود کرنے کے لئے کوشش کرے اور ناخنوں تک زور لگاوے اور پھر دیکھے کہ انجام کار وہ غالب ہوا یا خدا۔ پہلے اس سے ابوجہل اور ابولہب اور ان کے رفیقوں
﴿۱۲۹﴾ نے حق کے نابود کرنے کے لئے کیا کیا زور لگائے تھے مگر اب وہ کہاں ہیں۔ وہ فرعون جو موسیٰ کو ہلاک کرنا چاہتا تھا اب اس کا کچھ پتہ ہے۔ پس یقیناً سمجھو کہ صادق ضائع نہیں ہوسکتا وہ فرشتوں کی فوج کے اندر پھرتا ہے۔ بدقسمت وہ جو اُس کو شناخت نہ کرے۔

آپ سوچیں کہ آپ کے وہ مجدّد صاحب کہاں گئے جن کو آپ نے مجدّد کا خطاب دیا تھا اگر آسمان میں اُن کا یہ خطاب ہوتا تو وہ اپنے قول کے موافق جس کو انہوں نے حجج الکرامہ میں شائع کیا ہے اِس صدی سے پچیس[۲۵] برس تک زندہ رہتے مگر وہ تو صدی کے سر پر ہی فوت ہو گئے اور جس کو آپ کاذب کہتے ہیں اس نے قریباً صدی کا چہارم حصہ پا لیا ہے۔

مَیں آپ کو محض لِلّٰہ پھر دوبارہ یاد دلاتا ہوں کہ یوں تو ہر ایک نبی کا مخالف یہی دعویٰ کرتا ہے کہ اُس نبی سے کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا اور نہ کوئی پیشگوئی اُس کی پوری ہوئی جیسا کہ ہم یہودیوں کی کتابوں میں حضرت عیسیٰ کی نسبت دیکھتے ہیں۔ اور یہی ہم عیسائیوں

کی کتابوں میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت لکھا ہوا پاتے ہیں۔ مگر میں آپ کو نیک صلاح دیتا ہوں کہ درندگی کا طریق چھوڑ کر اب بھی آپ میری نسبت تحقیقات کر لیں۔ اوّل منقولی طور پر مجھ سے ثبوت لے لیں کہ کیا یہ ضروری نہیں کہ اس اُمت کا مسیح اسی امت میں سے ہونا چاہیے اور پھر دوسرے یہ دیکھ لیں کہ کس قدر میرے دعوے کی تائید میں مجھ سے نشان ظاہر ہوئے ہیں اور جو کچھ کہا جاتا ہے کہ فلاں پیشگوئی پوری نہ ہوئی۔ یہ محض☆ افترا ہے بلکہ تمام پیشگوئیاں پوری ہو گئیں اور میری کسی پیشگوئی پر کوئی ایسا اعتراض نہیں ہوسکتا جو پہلے نبیوں کی پیشگوئیوں پر جاہل اور بے ایمان لوگ نہیں کر چکے۔

اگر خدا تعالیٰ کا خوف ہو تو آپ لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ میرے ساتھ آپ کا مقابلہ تقویٰ سے بعید ہے کیونکہ آپ لوگوں کی دستاویز صرف وہ حدیثیں ہیں جن میں سے کچھ موضوع اور کچھ ضعیف اور کچھ ان میں سے ایسی ہیں جن کے معنے آپ لوگ سمجھتے نہیں۔ مگر آپ کے مقابل پر میرا دعویٰ علیٰ وجہِ البصیرت ہے اور جس وحی نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اور آنے والا مسیح موعود یہی عاجز ہے اُس پر مَیں ایسا ہی ایمان رکھتا ہوں جیسا کہ مَیں قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہوں۔ اور یہ ایمان صرف حسن اعتقاد سے نہیں ﴿۱۳۰﴾

☆ جس حالت میں قرآن شریف یعنی آیت فلمّا توفّیتنی سے حضرت عیسیٰ کی وفات ثابت ہے اور صحیح بخاری میں ابن عباس سے مُتوفّیک کے یہ معنے لکھے ہیں کہ مُمِیتک اور شاہ ولی اللہ صاحب بھی فوز الکبیر میں متوفیک کے معنے مُمیتک لکھتے ہیں اور قرآن شریف سے ثابت ہے کہ رَفع توفّی کے بعد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ[1] یہ نہیں فرماتا کہ یا عیسٰی انّی رافعک الیَّ و متوفّیک۔ اور اپنی طرف سے قرآن شریف کے لفظوں کو ان کے مواضع سے پھیرنا اس آیت کا مصداق بنتا ہے کہ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ[2] اور کوئی حدیث صحیح ثابت نہیں ہوئی کہ جو اجازت دیتی ہو کہ اس آیت میں رافعک پہلے ہے اور مُتوفّیک بعد میں۔ اس صورت میں حضرت عیسیٰ کی وفات سب طرح سے ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ آنے والا عیسیٰ اُمتی ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ اِمَامُکُمْ مِنْکُم اور مسلم میں ہے کہ اَمّکُمْ مِنْکُمْ۔ منه

[1] اٰل عمران: ۵۶ [2] المآئدة: ۱۴

بلکہ وحی الٰہی کی روشنی نے جو آفتاب کی طرح میرے پر چمکی ہے یہ ایمان مجھے عطا فرمایا ہے۔ جس یقین کو خدا نے خارق عادت نشانوں کے تواتر اور معارف یقینیہ کی کثرت سے اور ہر روزہ یقینی مکالمہ اور مخاطبہ سے انتہا تک پہنچا دیا ہے اس کو میں کیونکر اپنے دل میں سے باہر نکال دوں۔ کیا میں اس نعمت معرفت اور علم صحیح کو رڈ کر دوں جو مجھ کو دیا گیا ہے۔ یا وہ آسمانی نشان جو مجھے دکھائے جاتے ہیں مَیں اُن سے منہ پھیر لوں یا میں اپنے آقا اور اپنے مالک کے حکم سے سرکش ہو جاؤں کیا کروں مجھے ایسی حالت سے ہزار دفعہ مرنا بہتر ہے کہ وہ جو اپنے حسن و جمال کے ساتھ میرے پر ظاہر ہوا ہے میں اس سے برگشتہ ہو جاؤں۔ یہ دنیا کی زندگی کب تک اور یہ دنیا کے لوگ مجھ سے کیا وفاداری کریں گے تا میں ان کے لئے اُس یارِ عزیز کو چھوڑ دوں۔ مَیں خوب جانتا ہوں کہ میرے مخالفوں کے ہاتھ میں محض ایک پوست ہے جس میں کیڑا لگ گیا ہے۔ وہ مجھے کہتے ہیں کہ مَیں مغز کو چھوڑ دوں اور ایسے پوست کو میں بھی اختیار کر لوں۔ مجھے ڈراتے ہیں اور دھمکیاں دیتے ہیں۔ لیکن مجھے اُسی عزیز کی قسم ہے جس کو مَیں نے شناخت کر لیا ہے کہ مَیں ان لوگوں کی دھمکیوں کو کچھ بھی چیز نہیں سمجھتا۔ مجھے اس کے ساتھ غم بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ دوسرے کے ساتھ خوشی ہو مجھے اس کے ساتھ موت بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ اُس کو چھوڑ کر لمبی عمر ہو۔ جس طرح آپ لوگ دن کو دیکھ کر اُس کو رات نہیں کہہ سکتے۔ اِسی طرح وہ نور جو مجھ کو دکھایا گیا میں اس کو تاریکی نہیں خیال کر سکتا۔ اور جب کہ آپ اپنے اِن عقائد کو چھوڑ نہیں سکتے جو صرف شکوک اور توہمات کا مجموعہ ہے تو میں کیونکر اُس راہ کو چھوڑ سکتا ہوں جس پر ہزار آفتاب چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔ کیا مَیں مجنون یا دیوانہ ہوں کہ اُس حالت میں جب کہ خدا تعالیٰ نے مجھے روشن نشانوں کے ساتھ حق دکھا دیا ہے پھر بھی مَیں حق کو قبول نہ کروں۔ مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہزار ہا نشان میرے اطمینان کے لئے میرے پر ظاہر ہوئے ہیں جن میں سے بعض کو مَیں نے لوگوں کو بتایا اور بعض کو بتایا بھی نہیں اور مَیں نے دیکھا کہ یہ نشان

خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اور کوئی دوسرا بجز اُس وحدہٗ لاشریک کے اُن پر قادر نہیں۔

اور مجھ کو ماسواء اس کے **علم قرآن** دیا گیا اور احادیث کے صحیح معنے میرے پر کھولے گئے۔ پھر ﴿۱۳۱﴾
مَیں ایسی روشن راہ کو چھوڑ کر ہلاکت کی راہ کیوں اختیار کروں؟ جو کچھ مَیں کہتا ہوں علیٰ وجہ البصیرت
کہتا ہوں۔ اور جو کچھ آپ لوگ کہتے ہیں وہ **صرف ظن ہے**۔ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا [1]
اور اس کی ایسی ہی مثال ہے کہ جیسے ایک اندھا ایک اونچی نیچی زمین میں تاریکی میں چلتا ہے اور نہیں
جانتا کہ کہاں قدم پڑتا ہے۔ سو مَیں اس روشنی کو چھوڑ کر جو مجھ کو دی گئی ہے تاریکی کو کیونکر لے لوں۔
جب کہ مَیں دیکھتا ہوں کہ خدا میری دعائیں سنتا اور بڑے بڑے نشان میرے لئے ظاہر کرتا اور مجھ
سے ہمکلام ہوتا اور اپنے غیب کے اسرار پر مجھے اطلاع دیتا ہے اور دشمنوں کے مقابل پر اپنے قوی
ہاتھ کے ساتھ میری مدد کرتا ہے اور ہر میدان میں مجھے فتح بخشتا ہے اور قرآن شریف کے معارف
اور حقائق کا مجھے علم دیتا ہے تو مَیں ایسے قادر اور غالب خدا کو چھوڑ کر اس کی جگہ کس کو قبول کر لوں۔

مَیں اپنے پورے یقین سے جانتا ہوں کہ خدا وہی قادر خدا ہے جس نے میرے پر تجلّی فرمائی
اور اپنے وجود سے اور اپنے کلام اور اپنے کام سے مجھے اطلاع دی۔ اور مَیں یقین رکھتا ہوں کہ وہ
قدرتیں جو مَیں اس سے دیکھتا ہوں۔ اور وہ علم غیب جو میرے پر ظاہر کرتا ہے۔ اور وہ قوی ہاتھ جس
سے مَیں ہر خطرناک موقعہ پر مدد پاتا ہوں وہ اُسی کامل اور سچے خدا کی صفات ہیں جس نے آدم کو پیدا
کیا اور جو نوح پر ظاہر ہوا اور طوفان کا معجزہ دکھلایا۔ وہ وہی ہے جس نے موسیٰ کو مدد دی جب کہ فرعون
اس کو ہلاک کرنے کو تھا۔ وہ وہی ہے جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سیّد الرسل کو کافروں اور مشرکوں
کے منصوبوں سے بچا کر فتح کامل عطا فرمائی۔ اُسی نے اس آخری زمانہ میں میرے پر تجلّی فرمائی۔

بعض نادان جو خبیث اور بدذات ہیں کہتے ہیں کہ وہ شیطان ہوگا جو تم پر ظاہر ہوا
لعنۃ اللّٰہ علیھم الی یوم القیامۃ۔ یہ نادان نہیں جانتے کہ شیطان سب پر غالب نہیں مگر وہ
خدا جو اپنے کلام اور کام کے ساتھ میرے پر ظاہر ہوا وہ سب پر غالب ہے کوئی ہے جو ﴿۱۳۲﴾
اس کا مقابلہ کرے۔ مخالف مُردے ہیں اور دشمن مرے ہوئے کیڑے ہیں کوئی نہیں

[1] النجم: ۲۹

جو اُن قدرتوں کا مقابلہ کر سکے جو اُس کے کلام اور کام کے ذریعہ سے میرے پر ظاہر ہوتی ہیں وہ تمام صفتوں اور کامل قدرتوں کے ساتھ موصوف ہے نہ زمین میں نہ آسمان میں اس کا کوئی ثانی نہیں۔ وہ جو ہر روز میرے پر ظاہر ہوتا اور اپنی قدرتیں مجھے دکھلاتا اور اپنے عمیق در عمیق بھید میرے پر ظاہر فرماتا ہے اگر اُس کے سوا زمین میں یا آسمان میں کوئی اور بھی خدا ہے تو تم اُس کا ثبوت دو۔ مگر تم ہرگز ثبوت نہیں دے سکتے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں وہی ایک ہے جس نے زمین و آسمان بنائے جب کہ وہ میرے پر آفتاب کی طرح چمک رہا ہے اور اس نے مجھے کامل بصیرت بخشی اور اپنی قدرتیں دکھلا کر اور مجھے سچا علم عطا فرما کر اپنے وجود پر مجھے علم دے دیا ہے تو میں کیونکر اس کو چھوڑ سکتا ہوں۔ میرے لئے جان کا چھوڑنا اس سے زیادہ آسان ہے کہ میں اس خدا کو چھوڑوں جس نے میرے پر تجلی فرمائی۔

اندھا دشمن یونہی بکواس کرتا ہے اُس کو خدا کی خبر نہیں۔ اس کا دل مجذوم ہے اور آنکھیں بینائی سے محروم۔ ان لوگوں کا علم صرف اِس حد تک ہے کہ ظنیات کا بت پوج رہے ہیں جو کچھ ہے اُن کے نزدیک بھی یہی بت ہے، اس سے آگے اُن کی قسمت میں کچھ نہیں۔ اُس خدا سے جو اپنی تازہ قدرتوں سے پہچانا جاتا ہے یہ لوگ محض محروم ہیں اور اُس اندھے کی طرح کہ آگے قدم رکھتا ہے اور نہیں جانتا کہ آگے نشیب ہے یا فراز اور پاک زمین ہے یا نجاست ان لوگوں کی رفتار ہے۔

اور یہ لوگ نادانی سے ایک پہلو پر زور دیتے ہیں اور دوسرا پہلو فراموش کر دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ عیسیٰ نازل ہوگا اور وہ اُمتی بن جائے گا۔ پس ان کے قول اور خدا کے قول میں فرق یہ ہے کہ یہ لوگ تو عیسیٰ کو اُمتی بناتے ہیں اور خدا اُمتی کو عیسیٰ بناتا ہے۔ پس یہ☆ ایسا فرق نہیں تھا جس کی غلطی دور نہ ہو سکے۔ جب کہ خدا تعالیٰ کی قدرت ایک اُمتی کو عیسیٰ بنا سکتی تھی

☆ نہیں سوچتے کہ جس حالت میں تم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام اُمتی رکھ دیا پھر اگر خدا تعالیٰ ایک اُمتی کا نام عیسیٰ رکھ دے تو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ کیا حدیث امامکم منکم کے یہی معنے نہیں کہ آنے والا عیسیٰ اے اُمتی لوگو! تم میں سے ہے نہ کسی اور قوم میں سے۔ منہ

﴾۱۳۳﴿ اور اس طرح پر اِس اُمت کی بزرگی بنی اسرائیل پر ظاہر ہو سکتی تھی تو پھر کیا ضرور تھا کہ عیسیٰ بن مریم کو آسمان سے اُتارا جائے اور خدا کے وعدہ کے برخلاف کیا جائے (کہ کوئی گیا ہوا دوبارہ دنیا میں آ نہیں سکتا)☆ حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل کا آخری خلیفہ تھا۔ پس ایک اُمتی کو عیسیٰ قرار دینا اِس کے یہ معنی تھے کہ وہ بھی اس امت کا آخری خلیفہ ہوگا اور یہود اس اُمت کے اس پر بھی حملے کریں گے اور اس کو قبول نہ کریں گے۔ مگر ایک پیغمبر کو اُمتی قرار دینے میں کونسی حکمت ہے؟ یوں تو قرآن شریف سے ثابت ہے کہ ہر ایک نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں داخل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ[1] پس اس طرح تمام انبیاء علیہم السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہوئے اور پھر حضرت عیسیٰ کو اُمتی بنانے کے کیا معنے ہیں؟ اور کونسی خصوصیت؟ کیا وہ اپنے پہلے ایمان سے برگشتہ ہو گئے تھے جو تمام نبیوں کے ساتھ لائے تھے تا نعوذ باللہ یہ سزا دی گئی کہ زمین پر اُتار کر دوبارہ تجدید ایمان کرائی جائے مگر دوسرے نبیوں کے لئے وہی پہلا ایمان کافی رہا۔ کیا ایسی کچی باتیں اسلام سے تمسخر ہے یا نہیں؟

بات صاف تھی کہ جس طرح یہود کے سلسلہ خلافت کے خاتمہ پر عیسیٰ آیا تھا جس کو انہوں نے ردّ کیا اور قبول نہ کیا اسی طرح مقدر تھا کہ اسلام کے سلسلہ خلافت کے آخر پر ایک خلیفہ پیدا ہوگا جس کو مسلمان ردّ کریں گے اور قبول نہ کریں گے۔ اور اس وجہ سے وہ عیسیٰ

☆ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ[2] یعنی تم زمین پر ہی زندگی بسر کرو گے اور زمین پر ہی مرو گے اور زمین سے ہی نکالے جاؤ گے۔ پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ ایک شخص صدہا برس تک آسمان پر زندگی بسر کرے اور خدا فرماتا ہے۔ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ[3] کہ تمہارے قرار کی جگہ زمین ہی رہے گی۔ پھر کیونکر ہو سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی قرارگاہ صدہا برس سے آسمان ہو اور خدا فرماتا ہے اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا[4] یعنی زمین کو ہم نے ایسا بنایا ہے کہ ہر ایک کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے اور ہر ایک جسم کو اپنے قبضہ میں رکھتی ہے۔ پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ زمین کے قبضہ سے باہر چلے گئے۔ منہ

۱ ال عمران:۸۲ ۲ الاعراف:۲۶ ۳ البقرة:۳۷ ۴ المرسلات:۲۶

کہلائے گا کہ وہ خاتم الخلفاء ہے اور نیز عیسیٰ کی طرح ردّ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اِس مشابہت کے اظہار کے لئے براہین احمدیہ میں خود فرماتا ہے۔ **”دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اُس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کردے گا“**۔ پس بات تو ایک معمولی تھی۔ ہر ایک شخص ایسی مشابہت کے وقت ایک شخص کا ایسا نام رکھ دیتا ہے۔ خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ بنایا گیا۔

اگر ہمارے مخالف اپنا عقیدہ صرف اس حد تک رکھتے کہ عیسیٰ مسیح آئے گا تو ضرور مگر انجیل
کی تعلیم پر قائم ہوگا۔ وہ مسلمانوں کے حلال حرام کا پابند نہ ہوگا اور اپنے طور کی نماز بھی علیحدہ ﴿۱۳۴﴾
پڑھے گا۔ اور بجائے قرآن شریف کے انجیل کو نماز میں پڑھے گا اور اپنے تئیں مستقل طور پر پیغمبر سمجھتا ہوگا نہ اُمتی۔ غرض ایسا شعار ظاہر نہیں کرے گا جس سے اُس کو اُمتی کہا جائے بلکہ وہ توریت اور انجیل کا پابند اور اسی راہ کا متبع ہوگا تو اس صورت میں تنقیح طلب یہ امر ٹھہرتا ہے کہ کیا ایسا شخص دوبارہ آکر اسلام کے لئے مفید ٹھہر سکتا ہے؟ جو اپنی عملی حالتوں سے دکھلاتا ہے کہ وہ اسلام سے بالکل الگ اور اُس کا مخالف ہے اور صاف ظاہر ہے کہ ایسے انسان کا آنا مسلمانوں کے لئے اچھا نہیں کیونکہ جب کہ وہ اتنے مرتبہ کا آدمی ہوکر شعارِ اسلام سے بکلّی اپنے تئیں مخالف ظاہر کرے گا اور اس طرح نماز نہیں پڑھے گا جو مسلمان پڑھتے ہیں اور بجائے قرآن شریف کے لوگوں کو انجیل سنائے گا اور وہ چیزیں کھائے گا جو مسلمان کھاتے نہیں اور شراب پیئے گا۔ تب بلاشبہ ایسے شخص کا وجود اسلام کے لئے بڑے فتنہ کا موجب ہوگا اور قریب ہوگا کہ اُس میں اور مسلمانوں میں کچھ دنگا فساد ہو جائے اور ایسا خطرناک وجود مسلمانوں کے لئے ایک ٹھوکر کا باعث ہوگا اور تعجب نہیں کہ عیسائی ہونے شروع ہو جائیں۔

لیکن اگر عیسیٰ آتے ہی سیدھے دل سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ لے گا اور پابند اس نماز کا ہوگا جو مسلمان پڑھتے ہیں اور اس روزہ کا پابند جو مسلمانوں کو سکھایا

گیا اور ہر ایک حرام حلال میں اسلام پر چلے گا۔ پس اس صورت میں کیا شک ہے کہ اس حالت میں اپنے تئیں اُمتی قرار دے دے گا کیونکہ اُمتیوں کے سروں پر کچھ سینگ تو نہیں ہوتے جب اُمت ہونے کے سارے اعمال بجالائے تو اُمتی بن گئے۔ غرض جب عیسیٰ علیہ السلام کو تعلیم توریت چھڑا کر اُمتی بنایا گیا تو پھر اِس صورت میں تنقیح طلب یہ امر ہوگا کہ وہ عیسیٰ جو یہود کے انبیاء کا خاتم الخلفاء تھا پھر اُسی کو اُمتی بنا کر محمدی دین کا خاتم الخلفاء بنایا۔ کیا اس سے وہ حکمت الٰہیہ پوری ہوسکتی ہے جس کا ارادہ کیا گیا ہے۔

اور یہ بات عقلمندوں پر ظاہر ہے کہ بنی اسمٰعیل میں خدا تعالیٰ نے بمقابل بنی اسرائیل کے
ایک سلسلہ قائم کر کے یہ چاہا کہ ہر ایک طور سے اس سلسلہ کو اسرائیلی سلسلہ سے مشابہ اور مماثل ۱۳۵
کرے۔ پس اُس نے اِسی ارادہ سے ہمارے سیّد و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسیٰ بنایا جیسا کہ وہ فرماتا ہے اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا[1] یعنی ہم نے اِس رسول کو اُس رسول کی مانند بھیجا جو فرعون کی طرف بھیجا گیا تھا۔ اور پھر آخر سلسلہ میں ضرور تھا کہ خاتم الخلفاء اس امت کا عیسیٰ کا مثیل ہو جو عیسیٰ کی طرح چودھویں صدی میں مثیل موسیٰ کے بعد ظاہر ہو کیونکہ موسیٰ کے سلسلہ کا آخری خلیفہ عیسیٰ تھا جو چودہ سَو برس اس کے بعد ظاہر ہوا اور پھر اسرائیلی سلسلہ کے وہ یہود تھے جنہوں نے عیسیٰ کو قبول نہ کیا اس لئے خدا کے کلام نے یہ بھی وعدہ دیا کہ اس اُمت میں بھی آخری زمانہ میں جو مسیح موعود کا زمانہ ہوگا یہود سیرت پیدا ہو جائیں گے۔

اب جب کہ ظاہر ہے کہ مثیل موسیٰ عین موسیٰ نہیں اور آخری زمانہ کے یہود سیرت عین یہود نہیں تو پھر کیا وجہ کہ آنے والا وہی عیسیٰ اُتر آیا جو پہلے گذر چکا تھا۔ ایسا سمجھنا تو کتاب اللہ کے برخلاف ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ میں یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ بعض گروہ اس اُمت کے انبیاء بنی اسرائیل کے قدم پر چلیں گے اور بعض افراد اِس اُمت کے اُن یہودیوں کے قدم پر چلیں گے جنہوں نے حضرت عیسیٰ کو قبول نہیں کیا تھا

[1] المزّمل:۱۶

اور صلیب دینا چاہا تھا جو مغضوب علیھم قرار پائیں گے۔ اسی واسطے خدا تعالیٰ نے پنجوقتہ نماز میں بھی یہی دعا سکھلائی جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورۃ فاتحہ میں یہ تعلیم فرماتا ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔[1] پس اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے مراد انبیاء یہود ہیں اور مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مراد وہ یہود ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ کو قبول نہیں کیا تھا۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ اس امت میں ایسے یہود سیرت بھی ہونے والے ہیں جو حضرت عیسیٰ کے وقت تھے۔ پس ضرور ہے کہ ان کے ساتھ اِسی اُمت میں سے ایک عیسیٰ بھی ہو جس کے انکار سے وہ اُس قسم کے یہودی بن جائیں گے جو مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ہیں۔ اب وہ لوگ جو مجھ کو ملامت کرتے ہیں جو تو نے اپنے تئیں عیسیٰ کیوں بنایا۔ درحقیقت یہ ملامت اُن کی طرف ہی رجوع کرتی ہے کیونکہ اگر وہ یہود نہ بنتے تو مَیں بھی عیسیٰ نہ بنتا۔ مگر ضرور تھا کہ خدا کا کلام پورا ہوتا۔ عجیب نادان ہیں۔ یہود بننے کے لئے ﴿۱۳۶﴾
آپ طیار ہیں مگر عیسیٰ کو باہر سے لاتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ اسمٰعیلی سلسلہ کی عمارت بالکل اسرائیلی سلسلہ کے مطابق بنائی گئی ہے۔ یہی حکمت ہے کہ اس سلسلہ کا عیسیٰ بھی خاندان بنی اسمٰعیل میں سے نہیں ہے کیونکہ مسیح بھی بنی اسرائیل سے نہیں آیا تھا۔ وجہ یہ کہ بنی اسرائیل میں سے کوئی اُس کا باپ نہ تھا صرف ماں اسرائیلی تھی یہی مشابہت اس جگہ موجود ہے۔ میں بیان کر چکا ہوں کہ میری بعض اُمہات سادات میں سے تھیں اور خدا کی وحی نے بھی یہی مجھ پر ظاہر کیا اور جس طرح حضرت عیسیٰ نے باپ کے ذریعہ سے رُوح حاصل نہیں کی تھی اِسی طرح میں نے بھی علم اور معرفت کی رُوح کسی روحانی باپ سے یعنی اُستاد سے حاصل نہیں کی پس ان تمام باتوں میں مجھ میں اور حضرت عیسیٰ میں شدید مشابہت ہے۔ لہٰذا خدا تعالیٰ نے اسرائیلی سلسلہ کے مقابل پر اسمٰعیلی سلسلہ قائم کر کے عیسیٰ بننے کے لئے مجھے چن لیا۔ صدر سلسلہ اسلام میں حضرت سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کا نام

[1] الفاتحة : ۶، ۷

موسیٰ رکھا گیا جن کے ماں باپ دونوں قریش تھے اور آخر سلسلہ میں یہ عاجز ہے جو فقط ماں کے لحاظ سے قریش ہے جس کا نام عیسیٰ رکھا گیا۔

مردمِ نا اہل گویندم کہ چوں عیسیٰ شدی — بشنو از من ایں جوابِ شاں کہ اے قومِ حسود
چوں شمارا شد یہود اندر کتابِ پاک نام — پس خدا عیسیٰ مرا کرد است از بہرِ یہود
ورنہ از روئے حقیقت تخمِ ایشاں نیستید — نیز ہم من ابن مریم نیستم اندر وُجود
گر نہ بودندے شما۔ مارا نبودے ہم اثر — از شما شد ہم ظہورم پس زِ غوغاہا چہ سُود
ہر چہ بود از نیک و بد در دینِ اسرائیلیاں — آں ہمہ در ملّت احمد نقوشِ خود نمود
قومِ ما در ہر قدم ماند بقومِ موسوی — بعض زیشاں صالحان و بعض دیگر چوں غدود
چونکہ موسیٰ شد نبیٔ ما۔ کہ صدرِ دینِ ماست — لاجرم عیسیٰ شدم آخر ازاں ربّ ودود
نیز ہم اینجا یہودِ بد گہر پیدا شدند — تا بیا زارند عیسیٰ را چو آں قومے کہ بود
الغرض آں ذوالمنن در ہر صلاح و ہر فساد — ہمچو اسرائیلیاں بر قومِ ما ہر در کشود ﴿۱۳۷﴾
چوں خدا نامِ رسولِ پاک ما موسیٰ نہاد — نام شد بوجہل را فرعون چوں کینش فزود
پس در اوّل چوں کلیم آمد بحکمِ کردگار — ہم پئے تکمیل عیسیٰ را در آخر شد وُرود
بعدازیں روتافتن از مقتضائے شقوت است — ورنہ ایں گفتارِ ما ہر شک و شبہت را ربود

پس چہ حاصل تیرہا انداختن بر صادقاں
ہر کہ از بد باز ناید نار را گردد وقود

خلاصہ یہ کہ میں حق پر ہوں اور نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ کے موافق میرا دعویٰ ہے اور ہزارہا نشان میری سچائی کے گواہ ہیں۔ اور آئندہ بھی طالب حق کے لئے نشانوں کا دروازہ بند نہیں اور جو کچھ مخالفوں کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ فلاں پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ یہ اُن کی نابینائی ہے۔ ورنہ سب پیشگوئیاں پوری ہو چکی ہیں اور بعض پوری ہونے والی ہیں۔ ہاں چونکہ اُن کی نظر تعصب کے گرد و غبار کی وجہ سے موٹی ہے اس لئے وہ پیشگوئیاں جو بہت کھلی کھلی

ہیں اُن کو وہ ماننی پڑتی ہیں اور جو پیشگوئیاں کسی قدر دقت نظر کی محتاج ہیں وہ اُن کے نزدیک گویا پوری نہیں ہوئیں لیکن ایسی پیشگوئی شاید دس ہزار میں سے ایک ہو۔ پس کس قدر لعنت کا داغ اس دل پر ہے کہ دس ہزار پیشگوئی سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاتا۔ اور بار بار ایک کتے کی طرح عوعو کرتا ہے کہ فلاں پیشگوئی پوری نہیں ہوئی اور نہ صرف اسی قدر بلکہ سخت بے حیائی سے ساتھ اس کے گالیاں بھی دیتا ہے۔ ایسا انسان اگر کسی پہلے نبی کے وقت میں بھی ہوتا تو کیا اس کو قبول کر لیتا ہرگز نہیں کیونکہ ہر ایک نبی کی کوئی نہ کوئی پیشگوئی کافروں پر مشتبہ رہی ہے۔

اے نادان! اوّل تعصب کا پردہ اپنی آنکھ پر سے اُٹھا تب تجھے معلوم ہو جائے گا کہ سب پیشگوئیاں پوری ہوگئیں۔ خدا تعالیٰ کی نصرت ایک تند اور تیز دریا کی طرح مخالفوں پر حملہ کر رہی ہے پر افسوس کہ ان لوگوں کو کچھ بھی محسوس نہیں ہوتا۔ زمین نے نشان دکھلائے اور آسمان نے بھی۔ اور دوستوں میں بھی نشان ظاہر ہوئے ہیں اور دشمنوں میں بھی مگر اندھے لوگوں کے نزدیک ابھی کوئی نشان ظاہر نہیں ہوا۔ لیکن خدا اس کام کو ناتمام نہیں چھوڑے گا جب تک وہ پاک اور پلید میں فرق کر کے نہ دکھلاوے۔ ﴿۱۳۸﴾

مخالف چاہتے ہیں کہ میں نابود ہو جاؤں اور ان کا کوئی ایسا داؤ چل جائے کہ میرا نام ونشان نہ رہے **مگر وہ ان خواہشوں میں نامراد رہیں گے اور نامرادی سے مریں گے اور بہتیرے اُن میں سے ہمارے دیکھتے دیکھتے مر گئے اور قبروں میں حسرتیں لے گئے مگر خدا تمام میری مرادیں پوری کرے گا۔ یہ نادان نہیں جانتے کہ جب میں اپنی طرف سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے اس جنگ میں مشغول ہوں تو میں کیوں ضائع ہونے لگا اور کون ہے جو مجھے نقصان پہنچا سکے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ جب کوئی کسی کا ہو جاتا ہے تو اُس کو بھی اُس کا ہونا ہی پڑتا ہے۔**

بعض یہ کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ سچ ہے کہ صحیح بخاری اور مسلم میں لکھا ہے کہ آنے والا عیسیٰ

اِسی امت میں سے ہوگا۔لیکن صحیح مسلم میں صریح لفظوں میں اس کا نام نبی اللہ رکھا ہے۔ پھر کیونکر ہم مان لیں کہ وہ اسی امت میں سے ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تمام بدقسمتی دھوکہ سے پیدا ہوئی ہے کہ نبی کے حقیقی معنوں پر غور نہیں کی گئی۔ نبی کے معنے صرف یہ ہیں کہ خدا سے بذریعہ وحی خبر پانے والا ہو اور شرف مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہو۔شریعت کا لانا اس کے لئے ضروری نہیں اور نہ یہ ضروری ہے کہ صاحب شریعت رسول کا متبع نہ ہو۔ پس ایک اُمتی کو ایسا نبی قرار دینے سے کوئی محذور لازم نہیں آتا بالخصوص اس حالت میں کہ وہ اُمتی اپنے اسی نبی متبوع سے فیض پانے والا ہو بلکہ فساد اس حالت میں لازم آتا ہے کہ اس اُمت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک مکالماتِ الٰہیہ سے بےنصیب قرار دیا جائے۔ وہ دین۔ دین نہیں ہے اور نہ وہ نبی، نبی ہے جس کی متابعت سے انسان خدا تعالیٰ سے اس قدر نزدیک نہیں ہوسکتا کہ مکالماتِ الٰہیہ سے مشرف ہو سکے۔ وہ دین لعنتی اور قابلِ نفرت ہے جو یہ سکھلاتا ہے کہ صرف چند منقولی باتوں پر انسانی ترقیات کا انحصار ہے اور وحیِ الٰہی آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہے اور خدائے حیّ و قیّوم کی آواز سننے اور اُس کے مکالمات سے قطعی نومیدی ہے اور اگر ﴿۱۳۹﴾
کوئی آواز بھی غیب سے کسی کے کان تک پہنچتی ہے تو وہ ایسی مشتبہ آواز ہے کہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ خدا کی آواز ہے یا شیطان کی۔ سو ایسا دین بہ نسبت اس کے کہ اُس کو رحمانی کہیں شیطانی کہلانے کا زیادہ مستحق ہوتا ہے۔ دین وہ ہے جو تاریکی سے نکالتا اور نور میں داخل کرتا ہے اور انسان کی خدا شناسی کو صرف قصوں تک محدود نہیں رکھتا بلکہ ایک معرفت کی روشنی اس کو عطا کرتا ہے۔ سو سچے دین کا متبع اگر خود نفس امارہ کے حجاب میں نہ ہو۔ خدا تعالیٰ کے کلام کو سن سکتا ہے۔ سو ایک اُمتی کو اس طرح کا نبی بنانا سچے دین کی ایک لازمی نشانی ہے۔

اور اگر نبی کے یہ معنے ہیں کہ اُس پر شریعت نازل ہو یعنی وہ نئی شریعت لانے والا ہو

تو یہ معنے حضرت عیسیٰ پر بھی صادق نہیں آئیں گے کیونکہ وہ شریعت محمدیہ کو منسوخ نہیں کر سکتے۔ اُن پر کوئی ایسی وحی نازل نہیں ہوسکتی جو قرآن شریف کو منسوخ کرے بلکہ ان کے دوبارہ لانے سے یہ وہم گذرتا ہے کہ شاید ان کے ذریعہ سے شریعت اسلامیہ میں کچھ تبدیل و ترمیم کیا جائے گا۔ ورنہ اگر نبی کے صرف یہ معنے کئے جائیں کہ اللہ جلّ شانہ اس سے مکالمہ و مخاطبہ رکھتا ہے اور بعض اسرار غیب کے اُس پر ظاہر کرتا ہے تو اگر ایک اُمّتی ایسا نبی ہو جائے تو اس میں حرج کیا ہے خصوصاً جب کہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں اکثر جگہ یہ امید دلائی ہے کہ ایک اُمّتی شرف مکالمہ الٰہیہ سے مشرف ہوسکتا ہے اور خدا تعالیٰ کو اپنے اولیاء سے مکالمات اور مخاطبات ہوتے ہیں بلکہ اسی نعمت کے حاصل کرنے کے لئے سورۃ فاتحہ میں جو پنجوقت فریضہ نماز میں پڑھی جاتی ہے یہی دعا سکھلائی گئی ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ تو کسی اُمتی کو اس نعمت کے حاصل ہونے سے کیوں انکار کیا جاتا ہے۔ کیا سورۃ فاتحہ میں وہ نعمت جو خدا تعالیٰ سے مانگی گئی ہے جو نبیوں کو دی گئی تھی وہ درہم و دینار ہیں۔ ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ کی نعمت ملی تھی جس کے ذریعہ سے اُن کی معرفت حق الیقین کے مرتبہ تک پہنچ گئی تھی اور گفتار کی تجلی دیدار کے قائم مقام ہوگئی تھی۔ پس یہ جو دعا کی جاتی ہے کہ اے خداوند وہ راہ ہمیں دکھا جس سے ہم بھی اُس ﴿۱۴۰﴾ نعمت کے وارث ہو جائیں اس کے بجز اس کے اور کیا معنے ہیں کہ ہمیں بھی شرف مکالمہ اور مخاطبہ بخش۔

بعض جاہل اس جگہ کہتے ہیں کہ اس دعا کے صرف یہ معنے ہیں کہ ہمارے ایمان قوی کر اور اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما اور وہ کام ہم سے کرا جس سے تو راضی ہو جائے۔ مگر یہ نادان نہیں جانتے کہ ایمان کا قوی ہونا یا اعمال صالحہ کا بجا لانا اور خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق قدم اٹھانا یہ تمام باتیں معرفت کاملہ کا نتیجہ ہیں۔ جس دل کو خدا تعالیٰ کی معرفت میں سے کچھ حصّہ نہیں ملا وہ دل ایمان قوی اور اعمال صالحہ سے بھی بے نصیب ہے۔ معرفت سے ہی خدا تعالیٰ کا خوف دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اور معرفت سے ہی خدا تعالیٰ کی محبت دل میں جوش

مارتی ہے۔ جیسا کہ دنیا میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ ہر ایک چیز کا خوف یا محبت معرفت سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ اگر اندھیرے میں ایک شیر ببر تمہارے پاس کھڑا ہو اور تم کو اس کا علم نہ ہو کہ یہ شیر ہے بلکہ یہ خیال ہو کہ یہ ایک بکرا ہے تو تمہیں کچھ بھی اس کا خوف نہیں ہوگا اور جبھی کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ تو شیر ہے تو تم بے حواس ہو کر اس جگہ سے بھاگ جاؤ گے۔ ایسا ہی اگر تم ایک ہیرے کو جو ایک جنگل میں پڑا ہوا ہے جو کئی لاکھ روپیہ قیمت رکھتا ہے محض ایک پتھر کا ٹکڑا سمجھو گے تو اس کی تم کچھ بھی پروا نہیں کرو گے۔ لیکن اگر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ اس شان اور عظمت کا ہیرا ہے تب تو تم اس کی محبت میں دیوانہ ہو جاؤ گے اور جہاں تک تم سے ممکن ہوگا اس کے حاصل کرنے کے لئے کوشش کرو گے۔ پس معلوم ہوا کہ تمام محبت اور خوف معرفت پر موقوف ہے۔ انسان اس سوراخ میں ہاتھ نہیں ڈال سکتا جس کی نسبت اُس کو معلوم ہو جائے کہ اُس کے اندر ایک زہریلا سانپ ہے اور نہ اُس مکان کو چھوڑ سکتا ہے جس کی نسبت اُس کو یقین ہو جائے کہ اُس کے نیچے ایک بڑا بھاری خزانہ مدفون ہے۔ اب چونکہ تمام مدار خوف اور محبت کا معرفت پر ہے اس لئے خدا تعالیٰ کی طرف بھی پورے طور پر اس وقت انسان جھک سکتا ہے جب کہ اس کی معرفت ہو۔ اوّل اُس کے وجود کا پتہ لگے اور پھر اُس کی خوبیاں اور اُس کی کامل قدرتیں ظاہر ہوں اور اس قسم کی معرفت کب میسر آسکتی ہے بجز اس کے کہ کسی کو خدا تعالیٰ کا ﴿۱۴۱﴾
شرفِ مکالمہ اور مخاطبہ حاصل ہو اور پھر اعلام الٰہی سے اس بات پر یقین آجائے کہ وہ عالم الغیب ہے اور ایسا قادر ہے کہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ سو اصلی نعمت (جس پر قوتِ ایمان اور اعمال صالحہ موقوف ہیں) خدا تعالیٰ کا مکالمہ اور مخاطبہ ہے جس کے ذریعہ سے اوّل اُس کا پتہ لگتا ہے اور پھر اُس کی قدرتوں سے اطلاع ملتی ہے اور پھر اس اطلاع کے موافق انسان ان قدرتوں کو بچشم خود دیکھ لیتا ہے۔ یہی وہ نعمت ہے جو انبیاء علیہم السلام کو دی گئی تھی اور پھر اس اُمت کو حکم ہوا کہ اس نعمت کو تم مجھ سے مانگو کہ مَیں تمہیں بھی دوں گا۔ پس جس کے دل میں یہ پیاس

لگا دی گئی ہے کہ اس نعمت کو پاوے بیشک اس کو وہ نعمت ملے گی۔

لیکن وہ لوگ جو خدا تعالیٰ سے لاپرواہیں خدا تعالیٰ اُن سے لاپرواہے۔ خدا تعالیٰ کا مکالمہ اور مخاطبہ یہی تو ایک جڑ ہے معرفت کی اور تمام برکات کا سرچشمہ ہے اگر اس اُمت پر یہ دروازہ بند ہوتا تو سعادت کے تمام دروازے بند ہوتے مگر مکالمات اور مخاطبات الٰہیہ سے اُس قسم کے کلمات مراد نہیں ہیں جن کی نسبت خود مُلہم متردّد ہو کہ آیا وہ شیطانی ہیں یا رحمانی۔ ایسے بے برکت کلمات جن میں شیطان بھی شریک ہوسکتا ہے شیطانی ہی سمجھنے چاہئیں کیونکہ خدا تعالیٰ کے روشن اور بابرکت اور لذیذ کلمات شیطان کے کلمات سے مشابہ نہیں ہوسکتے اور جن دلوں میں بباعث طہارتِ کاملہ شیطان کا کچھ حصہ نہیں رہتا اُن کی وحی میں بھی شیطان کا کچھ حصہ نہیں رہتا اور شیطان انہیں نجس دلوں پر اُترتا ہے جو شیطان کی طرح اپنے اندر ناپاکی رکھتے ہیں۔ پاک نفسوں پر پاک کا کلام نازل ہوتا ہے اور پلید نفسوں پر پلید کا۔

اور اگر ایک انسان اپنے الہام میں متحیر ہے اور نہیں جانتا کہ وہ شیطان کی طرف سے ہے یا خدا کی طرف سے۔ ایسے شخص کا الہام اُس کے لئے آفت جان ہے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ اُس الہام کی بنا پر کسی نیک کو بدقرار دے حالانکہ وہ الہام شیطان کی طرف سے ہو اور ممکن ہے کہ کسی بد کو نیک قرار دے حالانکہ وہ سراسر شیطانی تعلیم ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک امر کو جو الہام کے ذریعہ سے اس کو معلوم ہوا ہے خدا کا امر سمجھ کر بجالاوے حالانکہ وہ شیطان نے حکم دیا ہو۔ اور اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ ایک حکم شیطان کا حکم سمجھ کر ترک کر دے حالانکہ وہ خدا تعالیٰ کا حکم ہو۔ ﴿۱۴۲﴾

صاف ظاہر ہے کہ بجز ایک قطعی فیصلہ کے یعنی بجز اس امر کے کہ دل اس یقین سے پُر ہو کہ درحقیقت یہ خدا کا حکم ہے اس کے کرنے کے لئے پوری استقامت حاصل نہیں ہوسکتی خصوصاً بعض امور ایسے ہوتے ہیں کہ ظاہر شرع کو اُن پر کچھ اعتراض بھی ہوتا ہے جیسا کہ

خضر کے کام پر ظاہر شرع کو سراپا اعتراض تھا۔ نبیوں کی تمام شریعتوں میں سے کسی شریعت میں یہ حکم نہیں کہ ایک بے گناہ بچہ کو قتل کر دو۔ پس اگر خضر کو یہ یقین نہ ہوتا کہ یہ وحی خدا کی طرف سے ہے تو وہ کبھی قتل نہ کرتا اور اگر موسیٰ کی ماں کو یقین نہ ہوتا کہ اس کی وحی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے تو کبھی اپنے بچہ کو دریا میں نہ ڈالتی۔

اب ظاہر ہے کہ ایسا الہام کس طرح فخر کے لائق ہو سکتا اور کس طرح اس کے ضرر سے انسان امن میں رہ سکتا ہے جس کی نسبت کبھی تو اس کا یہ خیال ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور کبھی یہ خیال ہے کہ شیطان کی طرف سے ہے۔ ایسا الہام تو آفت جان اور آفت ایمان ہے بلکہ ایک بلا ہے جس سے کبھی نہ کبھی وہ ہلاک ہو سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ اپنے اُن بندوں کو جو تعلقات نفس امارہ سے الگ ہو کر محض اس کے ہو جاتے ہیں اور اُس کی محبت کی آگ سے تمام ماسوا اللہ کو جلا دیتے ہیں وہ اپنے ایسے بندوں کو شیطان کے پنجہ میں گرفتار کرے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ جس طرح روشنی اور تاریکی میں فرق ہے اِسی طرح شیطانی وساوس اور خدا تعالیٰ کی پاک وحی میں فرق ہے۔

بعض خشک ملاؤں کو یہاں تک انکار میں غلو ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مکالماتِ الٰہیہ کا دروازہ ہی بند ہے اور اس بدقسمت اُمت کے یہ نصیب ہی نہیں کہ یہ نعمت حاصل کر کے اپنے ایمان کو کامل کرے اور پھر کشش ایمانی سے اعمال صالح کو بجا لاوے۔

ایسے خیالات کا یہ جواب ہے کہ اگر یہ اُمت درحقیقت ایسی ہی بد بخت اور اندھی اور شرّ الامم ہے تو خدا نے کیوں اس کا نام خیر الامم رکھا بلکہ سچ بات یہ ہے کہ وہی لوگ ﴿۱۴۳﴾
احمق اور نادان ہیں کہ جو ایسے خیالات رکھتے ہیں ورنہ جس طرح خدا تعالیٰ نے اِس اُمت کو وہ دعا سکھلائی ہے جو سورۃ فاتحہ میں ہے۔ ساتھ ہی اُس نے یہ ارادہ بھی فرمایا ہے کہ اس اُمت کو وہ نعمت عطا بھی کرے جو نبیوں کو دی گئی تھی یعنی مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ جو سرچشمہ تمام نعمتوں کا ہے۔ کیا خدا تعالیٰ نے وہ دعا سکھلا کر صرف دھوکا ہی دیا ہے

اور ایسی ناکارہ اور ذلیل اُمت میں کیا خیر ہو سکتی ہے جو بنی اسرائیل کی عورتوں سے بھی گئی گذری ہے۔

ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ کی ماں اور حضرت عیسیٰ کی ماں دونوں عورتیں تھیں اور بقول ہمارے مخالفین کے نبیّہ نہیں تھیں تاہم خدا تعالیٰ کے یقینی مکالمات اور مخاطبات ان کو نصیب تھے اور اب اگر اس امت کا ایک شخص اس قدر طہارتِ نفس میں کامل ہو کہ ابراہیمؑ کا دل پیدا کر لے اور اتنا خدا تعالیٰ کا تابعدار ہو جو تمام نفسانی چولا پھینک دے اور اتنا خدا تعالیٰ کی محبت میں محو ہو کہ اپنے وجود سے فنا ہو جائے تب بھی وہ باوجود اس قدر تبدیلی کے موسیٰ کی ماں کی طرح بھی وحی الٰہی نہیں پا سکتا۔ کیا کوئی عقلمند خدا تعالیٰ کی طرف ایسا بخل منسوب کر سکتا ہے۔ اب ہم بجز اس کے کیا کہیں کہ **لعنة اللّٰہ علی الکاذبین**۔

اصل بات یہ ہے کہ جب ایسے لوگ سراسر دنیا کے کیڑے ہو گئے اور اسلام کا شعار صرف پگڑی اور ڈاڑھی اور ختنہ اور زبان کے چند اقرار اور رسمی نماز روزہ رہ گیا تو خدا تعالیٰ نے ان کے دلوں کو مسخ کر دیا اور ہزار ہا تاریکی کے پردے آنکھوں کے آگے آ گئے اور دل مر گئے اور کوئی زندہ نمونہ روحانی حیات کا اُن کے ہاتھ میں نہ رہا ناچار ان کو مکالماتِ الٰہیہ سے انکار کرنا پڑا اور یہ انکار درحقیقت اسلام سے انکار ہے لیکن چونکہ دل مر چکے ہیں اس لئے یہ لوگ محسوس نہیں کرتے کہ ہم کس حالت میں پڑے ہیں۔

یہ نادان نہیں جانتے کہ اگر یہی حالت ہے تو پھر اسلام اور دوسرے مذاہب میں فرق کیا رہا۔ یوں تو برہمو سماج والے بھی خدا تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک کہتے ہیں اور تناسخ کے بھی قائل نہیں اور کوئی شرک نہیں کرتے اور روزِ جزا وسزا کو بھی مانتے ورکلمہ **لا الٰہ الّا اللّٰہ** کے اقراری ہیں۔ پھر جب کہ ان تمام باتوں میں برہمو شریک ہیں تو ایسی صورت میں کہ مسلمانوں کی ترقیات بھی اسی حد تک ہیں ان میں اور برہموؤں میں کیا فرق ہے۔ پس اگر مذہب اسلام نعوذ باللہ کوئی امتیازی نعمت عطا نہیں کرتا اور انسانی خیالات تک ہی منتہی ہوتا ہے ﴿۱۴۴﴾

تو اس صورت میں وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے مذہب نہیں ٹھہر سکتا۔ بھلا ایک شخص اسلام کے ہر ایک پاک عقیدہ کے موافق اپنا عقیدہ رکھتا ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مفتری سمجھتا ہے جیسا کہ برہمو سماج والے سمجھتے ہیں تو اس خیال کے مسلمان اس کے آگے اپنے مذہب کا مابہ الامتیاز کیا پیش کر سکتے ہیں جو صرف قصے کہانیاں نہ ہوں بلکہ ایک ایسی مشہود و محسوس نعمت ہو جو ان کو دی گئی اور اُن کے غیر کو نہیں دی گئی۔ پس اے بد بخت اور بد قسمت قوم! وہ وہی نعمت ہے جو مکالمات اور مخاطباتِ الٰہیہ ہیں جن کے ذریعہ سے علومِ غیب حاصل ہوتے اور خدا کی تائیدی قدرتیں ظہور میں آتی ہیں اور خدا کی وہ نصرتیں جن پر وحی الٰہی کی مہر ہوتی ہے ظاہر ہوتی ہیں اور وہ لوگ اُس مُہر سے شناخت کئے جاتے ہیں۔ اس کے سوا کوئی مابہ الامتیاز نہیں۔ اور جب تم خود مانتے ہو جو خدا دعاؤں کو سنتا ہے۔ پس اے سُست ایمانو! اور دلوں کے اندھو! جب کہ وہ سن سکتا ہے تو کیا وہ بول نہیں سکتا؟ اور جب کہ سننے میں اس کی کوئی ہتک عزت نہیں تو پھر اپنے بندوں کے ساتھ بولنے سے کیوں اُس کی ہتک عزت ہوگئی؟ ورنہ یہ اعتقاد رکھو کہ جیسا کہ کچھ مدت سے الہام الٰہی پر مہر لگ گئی ہے ویسا ہی اُسی مدت سے خدا کی شنوائی پر بھی مہر لگ گئی ہے۔ اور اب خدا نعوذ باللہ صُمٌّ بُکْمٌ میں داخل ہے۔ کیا کوئی عقلمند اس بات کو قبول کر سکتا ہے کہ اس زمانہ میں خدا سنتا تو ہے مگر بولتا نہیں۔ پھر بعد اس کے یہ سوال ہوگا کہ کیوں نہیں بولتا۔ کیا زبان پر کوئی مرض لاحق ہوگئی ہے مگر کان مرض سے محفوظ ہیں۔ جب کہ وہی بندے ہیں اور وہی خدا ہے اور تکمیلِ ایمان کے لئے وہی حاجتیں ہیں بلکہ اس زمانہ میں جو دلوں پر دہریت غالب ہوگئی ہے بولنے کی اسی قدر ضرورت تھی جس قدر سننے کی۔ تو پھر کیا وجہ کہ سننے کی صفت تو اب تک ہے مگر بولنے کی صفت معطل ہوگئی ہے۔

افسوس کہ چودھویں صدی میں سے بھی بائیس[۲۲] برس گذر گئے اور ہمارے دعوے کا زمانہ ﴿۱۴۵﴾

اس قدر لمبا ہو گیا کہ جو لوگ میرے دعوے کے ابتدائی زمانہ میں ابھی پیٹ میں تھے اُن کی اولاد بھی جوان ہو گئی مگر آپ لوگوں کو ابھی سمجھ نہ آیا کہ میں صادق ہوں۔ بار بار یہی کہتے ہیں کہ ہم تم کو اس وجہ سے نہیں مانتے کہ ہماری حدیثوں میں لکھا ہے کہ تیس۳۰ دجال آئیں گے۔

اے بدقسمت قوم! کیا تمہارے حصہ میں دجال ہی رہ گئے۔ تم ہر ایک طرف سے اس طرح تباہ کئے گئے جس طرح ایک کھیتی کو رات کے وقت کسی اجنبی کے مویشی تباہ کر دیتے ہیں۔ تمہاری اندرونی حالتیں بھی بہت خراب ہو گئیں اور بیرونی حملے بھی انتہا کو پہنچ گئے۔ صدی کے سر پر جو مجدد آیا کرتے تھے وہ بات شائد نعوذ باللّٰہ خدا کو بھول گئی کہ اب کی دفعہ اگر صدی کے سر پر بھی آیا تو بقول تمہارے ایک دجال آیا۔ تم خاک میں مل گئے مگر خدا نے تمہاری خبر نہ لی۔ تم بدعات میں ڈوب گئے مگر خدا نے تمہاری دستگیری نہ کی۔ تم میں سے روحانیت جاتی رہی صدق و صفا کی بو نہ رہی۔ سچ کہو اب تم میں روحانیت کہاں ہے خدا کے تعلقات کے نشان کہاں۔ دین تمہارے نزدیک کیا ہے صرف زبان کی چالاکی اور شرارت آمیز جھگڑے اور تعصب کے جوش اور اندھوں کی طرح حملے۔ خدا کی طرف سے ایک ستارہ نکلا مگر تم نے اس کو شناخت نہ کیا اور تم نے تاریکی کو اختیار کیا اس لئے خدا نے تمہیں تاریکی میں ہی چھوڑ دیا۔

اب اس صورت میں تم میں اور غیر قوموں میں فرق کیا ہے۔ کیا ایک اندھا اندھوں میں بیٹھ کر کہہ سکتا ہے کہ تمہاری حالت سے میری حالت بہتر ہے۔

اے نادان قوم! مَیں تمہیں کس سے مشابہت دوں۔ تم اُن بدقسمتوں سے مشابہ ہو جن کے گھر کے قریب ایک فیاض نے ایک باغ لگایا اور اُس میں ہر ایک قسم کا پھلدار درخت نصب کیا اور اس کے اندر ایک شیریں نہر چھوڑ دی جس کا پانی نہایت میٹھا تھا۔ اور اُس باغ میں بڑے بڑے سایہ دار درخت لگائے جو ہزاروں انسانوں کو دھوپ سے بچا سکتے تھے تب اُس قوم کی اُس فیاض نے دعوت کی جو دھوپ میں جل رہی تھی اور کوئی سایہ نہ تھا۔ اور نہ کوئی پھل تھا اور نہ پانی تھا تا وہ سایہ میں بیٹھیں اور ﴿۱۴۶﴾

پھل کھاویں اور پانی پئیں۔ لیکن اس بد بخت قوم نے اس دعوت کو رد کیا اور اُس دُھوپ میں شدتِ گرمی اور پیاس اور بھوک سے مر گئے۔ اس لئے خدا فرماتا ہے کہ اُن کی جگہ میں دوسری قوم کو لاؤں گا جو ان درختوں کے ٹھنڈے سایہ میں بیٹھے گی اور ان پھلوں کو کھائے گی اور اس خوشگوار پانی کو پیئے گی۔ خدا نے مثال کے طور پر قرآن شریف میں خوب فرمایا کہ ذوالقرنین نے ایک قوم کو دھوپ میں جلتے ہوئے پایا اور اُن میں اور آفتاب میں کوئی اوٹ نہ تھی اور اس قوم نے ذوالقرنین سے کوئی مدد نہ چاہی۔ اس لئے وہ اُسی بلا میں مبتلا رہی۔ لیکن ذوالقرنین کو ایک دوسری قوم ملی جنہوں نے ذوالقرنین سے دشمن سے بچنے کے لئے مدد چاہی۔ سو ایک دیوار اُن کے لئے بنائی گئی اس لئے وہ دشمن کی دست بُرد سے بچ گئے۔

سو مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ قرآن شریف کی آئندہ پیشگوئی کے مطابق وہ ذوالقرنین **مَیں ہوں** جس نے ہر ایک قوم کی صدی کو پایا۔ اور دھوپ میں جلنے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے مسلمانوں میں سے مجھے قبول نہیں کیا۔ اور کیچڑ کے چشمے اور تاریکی میں بیٹھنے والے عیسائی ہیں جنہوں نے آفتاب کو نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ اور وہ قوم جن کے لئے دیوار بنائی گئی وہ میری جماعت ہے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہی ہیں جن کا دین دشمنوں کے دست بُرد سے بچے گا ہر ایک بنیاد جو سُست ہے اس کو شرک اور دہریت کھاتی جائے گی۔ مگر اس جماعت کی بڑی عمر ہوگی اور شیطان اُن پر غالب نہیں آئے گا۔ اور شیطانی گروہ اُن پر غلبہ نہیں کرے گا۔ اُن کی حجت تلوار سے زیادہ تیز اور نیزہ سے زیادہ اندر گھسنے والی ہوگی اور وہ قیامت تک ہر ایک مذہب پر غالب آتے رہیں گے۔

ہائے افسوس ان نادانوں پر جنہوں نے مجھے شناخت نہ کیا۔ وہ کیسی تیرہ و تاریک آنکھیں تھیں جو سچائی کے نور کو دیکھ نہ سکیں۔ میں اُن کو نظر نہیں آسکتا کیونکہ تعصّب نے ان کی آنکھوں کو تاریک کر دیا۔ دلوں پر زنگ ہے اور آنکھوں پر پردے۔ اگر وہ سچی تلاش میں لگ جائیں اور اپنے دلوں کو کینہ سے پاک کر دیں۔ دن کو روزے رکھیں ﴿۱۴۷﴾

اور راتوں کو اُٹھ کر نماز میں دعائیں کریں اور روئیں اور نعرے ماریں تو اُمید ہے کہ خدائے کریم ان پر ظاہر کردے کہ میں کون ہوں چاہیے کہ خدا کے استغناءِ ذاتی سے ڈریں۔

جب یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول نہ کیا اور تعصب اور کینہ سے باز نہ آئے تو خدا نے اُن کے دلوں پر مہریں لگا دیں اور باوجود اس کے کہ صدہا اُن میں فقیہ اور فریسی تھے اور توریت کے عالم اور فاضل تھے تاہم وہ نہ حقیقت کو سمجھ سکے اور نہ خدا نے کسی خواب یا الہام کے ذریعہ سے اُن پر حق ظاہر کیا۔ پس چونکہ اِس اُمت کا بھی انہیں کے قدم پر قدم ہے اس لئے ان کی ہرگز آنکھ نہیں کھل سکتی اور نہ وہ مجھے شناخت کر سکتے ہیں جب تک کہ سچا تقویٰ اُن کے نصیب نہ ہو۔ منہ کی فضولیوں پر خدا راضی نہیں ہوتا اس کی دلوں پر نظر ہے ہر ایک جو اپنی کسی خیانت کو چھپاتا ہے وہ اس کی عمیق نظر سے چھپا نہیں سکتا۔ متقی وہی ہے جو خدا کی شہادتوں سے متقی ثابت ہو کیونکہ متقی خدا کی کنارِ عاطفت میں ایسا ہوتا ہے جیسا کہ ایک پیارا بچہ اپنی ماں کی گود میں۔ دنیا اس کو ہلاک کرنے کے لئے اُس پر ٹوٹ پڑتی ہے اور در و دیوار اس پر نیش زنی کرتے ہیں لیکن خدا اُس کو بچا لیتا ہے اور جیسا کہ سورج جب نکلتا ہے تو کھلی کھلی کرنیں اُس کی زمین پر گرتی ہیں ایسا ہی خدا تعالیٰ کی تائیدیں اور نصرتیں کھلے طور پر متقی کے شامل حال ہوتی ہیں۔ وہ اُس کے دشمنوں کا دشمن ہو جاتا ہے اور ان کی آنکھوں کے سامنے متقی کو عزت دیتا ہے جس کی ذلت وہ چاہتے تھے۔ وہ نہ ضائع ہوتا اور نہ برباد ہوتا ہے جب تک کہ اپنا☆ کام کو پورا نہ کرلے اور **اُس کی مخالفت ایک تیز تلوار کی دھار پر ہاتھ مارنا ہے۔**

تریٰ نصر ربّی کیف یأتی و یظھرُ	و یسعٰی الینا کل من ھو یُبصرُ
میرے خدا کی مدد کو تو دیکھتا ہے کیونکر آرہی اور ظاہر ہو رہی ہے	اور ہر ایک جو آنکھیں رکھتا ہے ہماری طرف دوڑتا چلا آتا ہے

☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے" اپنے "ہونا چاہیے۔(ناشر)

اتَعلم مفتریًا کمثلی مؤیّدًا ﴿۱۴۸﴾
کیا تو کسی ایسے مفتری کو جانتا ہے، جو میری طرح مؤیّد بتائیدالٰہی ہو

و یقطع ربی کلما لا یثمرُ
اور میرے خدا کی یہ عادت ہے، کہ ہر ایک شاخ کو جو پھل نہیں لاتی وہ کاٹ دیتا ہے

تقولون کذّاب و قد لاح صدقنا
تم کہتے ہو کہ یہ شخص جھوٹا ہے حالانکہ میرا صدق ظاہر ہو چکا

بآی تجلّت لیس فیھا تکدّرُ
اُن نشانوں کے ساتھ صدق ظاہر ہوا کہ جن میں کوئی کدورت نہیں

و ھل یستوی ضوءً ا نھارٌ و لیلۃٌ
اور کیا دن اور رات روشنی میں برابر ہو سکتے ہیں

فکیف کذوبٌ و الصدوق المُطھّرُ
پس کیونکر ایک جھوٹا اور وہ سچا جو پاک کیا گیا ہے برابر ہو جائیں گے

ففکّر و لا تعجل علینا تعصّبًا
پس سوچ اور جلدی سے ہم پر حملہ مت کر

و ان کنت لا تخشٰی فکذّب و زوّرْ
اور اگر تو نہیں ڈرتا پس دروغ آرائی سے تکذیب کر

و کفّر و ما التکفیر منک ببدعۃٍ
اور مجھے کافر کہہ اور کافر کہنا تیری طرف سے کوئی بدعت نہیں

کمثلک قال السا بقون فدمّروا
تیری طرح پہلے منکر بھی کافر کہتے رہے ہیں اور آخر ہلاک کئے گئے

و ھٰذا ھو الوقت الذی لک نافع
اور یہی وقت ہے جو تجھے نفع دے سکتا ہے

فتب قبل وقتٍ فیہ تُدعٰی و تحضرُ
پس اس وقت سے پہلے توبہ کر جس میں تو بلایا جائے اور حاضر کیا جائے

و قد کبّدت شمس الھدٰی و امورنا
اور آفتاب ہدایت سمت الرأس پر آ گیا اور ہمارے کام

انارت کیاْقوت و انت تُعفّرُ
یاقوت کی طرح چمک اٹھے اور تو ان کو خاک آلودہ کرنا چاہتا ہے

و لو لا ثلٰث فیک تغلی لجئتنی
اور اگر تین خصلتیں تجھ میں جوش نہ مارتیں تو تو میری طرف آ جاتا

فمنھن جھل ثم کبر مشوّرٌ
ان میں سے ایک تو جہالت ہے اور دوسری تکبر جو جوش مار رہا ہے

و اٰخر اخلاقٍ یبیدک سمّھا
اور تیسرا خلق جس کی زہر تجھ کو ہلاک کر رہی ہے

ھو الخوف من قومٍ بحُمقٍ تنفّروا
وہ اُس قوم سے خوف ہے جو بوجہ اپنی حماقت کے نفرت کرتے ہیں

و من کان یخشی اللہ لا یخشی الورٰی
اور جو شخص خدا سے ڈرتا ہے وہ لوگوں سے نہیں ڈرتا

ھو الشجرۃ الطوبٰی ینُور و یُثمرُ
وہ درخت طوبٰی ہے پھول لاتا اور پھل لاتا ہے

وَمَن کان باللّٰہ المھیمن مؤمنًا	علٰی نائبات الدھر لا یتفکّرُ ۱۴۹
اور جو شخص خدائے مہیمن پر ایمان لاتا ہے	وہ زمانہ کے حوادث سے کچھ متفکر نہیں ہوتا
سلامٌ علٰی قومٍ رؤا نَور دوحتی	فراق نواظر ھم وللقطف شمّروا
اس قوم پر سلام جس نے میرے درخت کا محض ایک شگوفہ دیکھا	اور وہ شگوفہ ان کو اچھا معلوم ہوا اور پھلوں کے توڑنے کے لئے طیار ہو گئے
فایّ غبی انت یا ابن تصلّفٍ	تریٰ ثمراتی کلھا ثم تُقصِرُ
پس اے لاف وگزاف کے بیٹے! تو کیسا غبی ہے	کہ میرے تمام پھلوں کو تو دیکھتا ہے اور پھر کوتاہی کرتا ہے
سیھدیک ربّی بعد غيٍّ و شِقوةٍ	و ذٰلک من وحی اتانی فاُخبرُ
عنقریب خدا تجھے گمراہی کے بعد ہدایت دے گا	اور یہ مجھے خدا تعالیٰ کی وحی سے معلوم ہوا ہے پس میں خبر کرتا ہوں
و نحن علمنا المنتھٰی من ولیّنا	فَقرّت بہ عَینِی و کنت اُذکّرُ
اور تیرا انجام کام مجھے اپنے دوست خدا تعالیٰ سے معلوم ہوا	پس اس سے میری آنکھ کو ٹھنڈک پہنچی اور مَیں یاد دلاتا رہا
وَ وَاللّٰہ لا انسٰی زَمانَ تعلّق	و لیس فؤادی مثل ارضٍ تحجّرُ
اور بخدا مَیں تعلق کے زمانہ کو بھولتا نہیں	اور میرا دل ایسا نہیں جیسا کہ زمین پتھریلی ہوتی ہے
اریٰ غیظ نفسی لاثبات لغلیہٖ	کموجٍ من الرجّاف یعلو و یحدرُ
اور میں اپنے غصہ کو دیکھتا ہوں کہ اس کو کچھ ثبات نہیں	وہ دریا کی اس موج کی طرح ہے، جو ایک دم میں چڑھتی اور اُترتی ہے
اذا احسن الانسان بعد اساءةٍ	فننسی الاساءة و المحاسن نَذکرُ
جب انسان بدی کے بعد نیکی کرے	پس ہم بدی کو بھلا دیتے ہیں اور نیکیوں کو یاد رکھتے ہیں
و ان قلتُ مُرًّا فی کلامٍ لطالما	رأیتُ أذًی منکم و قلبی مکسّرٌ
اور اگر میں نے کسی کلام میں کچھ تلخ کہا ہے	تو میں ایک زمانہ دراز تم سے دکھ اٹھاتا رہا اور دل میرا چور چور ہے
و ما جئتکم الّامن اللہ ذی العُلٰی	و ما قلتُ الّا کلّما کنتُ اُؤمرُ
اور میں خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوں اپنی طرف سے نہیں	اور میں نے وہی کہا ہے جو خدا نے فرمایا

﴿۱۵۰﴾ وآن شاء لم اُبعَث مقام ابن مریم
اور اگر خدا چاہتا تو میں ابن مریم کی جگہ مبعوث نہ ہوتا
ولِلّٰہِ فی اقدارہٖ ما یُحیّرُ
اور خدا کو اپنی قضاء وقدر میں ایسے ایسے امور ہیں جو حیران کردیتے ہیں

و لایُسئلُ الرحمٰن عن امرٍ قضٰی
اور خدا اپنے کاموں سے پوچھا نہیں جاتا
ویُسئل قومٌ ضلّ عمّا تخیّروا
اور وہ قوم جو گمراہ ہو جائے وہ پوچھی جاتی ہے کہ کیوں ایسا کام کیا

کذٰلک عادتہٗ جرت فی قضائہٖ
اسی طرح اس کی عادت اپنے ارادہ میں جاری ہے
فیختار ما یُعمی عیونا و یَأْطَرُ
پس وہ ایسے امور اختیار کرتا ہے، جن سے آنکھیں اندھی ہوجاتی ہیں اور ٹیڑھی کردیتا ہے

و ما کان لی ان اترک الحق خیفةً
اور مَیں ایسا نہیں ہوں کہ حق کو ڈر کر چھوڑ دوں
جوادٌ لنا عند الوغٰی یَتَمَطَّرُ
ہمارا وہ گھوڑا ہے جو جنگ کے وقت جلدی سے چلتا ہے

و قالوا اذا ماالحرب طال زمانها
اور جب ایک لڑائی لمبی ہو گئی تو وہ کہنے لگے
لنا الفتح فانظر کیف دُقّوا و کُسّروا
کہ فتح ہماری ہے پس دیکھ کس طرح وہ پیسے گئے

و ما ان رَأَینا فی المیادین فتحهم
اور ہم نے میدانوں میں اُن کی فتح نہیں دیکھی
و من غرّہ حولٌ رأیناہ یُدبرُ
اور جس کو کسی طاقت نے مغرور کیا ہم نے اس کو پیٹھ پھیرتے دیکھا

رَأَینا عنایة حِبّنا عند اُثرةٍ
ہم نے اپنے دوست کی عنایت کو سختی کے وقت دیکھا
و کل صدیقٍ فی الشدائد یُخبرُ
اور ہر ایک دوست سختیوں کے وقت آزمایا جاتا ہے

أَری النفس لا تدری لغوبًا بسبُله
مَیں اپنے نفس کو دیکھتا ہوں کہ اُس کی راہوں میں رُکتا نہیں
و ما اَن أَرَاها عند خوف تأَخّرُ
اور میں نہیں دیکھتا کہ وہ خوف کے وقت پیچھے ہٹے

و اِنّی نسیت الهمّ والغمّ والبلا
اور مَیں نے ہمّ اور غم اور بلا کو بھلا دیا
اذا جاء نی نصرٌ ووحی یُبشّرُ
جب اس کی مدد اور وحی بشارت دینے والی میرے پاس آئی

و اِنّا بِفضل اللّٰہ نطوی شعابنا
اور ہم خدا کے فضل سے اپنی راہ طے کر رہے ہیں
علٰی هاجراتٍ مثل ریح تُصَرْصِرُ
ایسی اونٹنیوں پر جو تیز ہوا کی طرح چلتی ہیں

لهـّن قـوائم كـالجبـال كـأنّها	سفـائـن فـى بحر المعارف تمخرُ ﴾۱۵۱﴿
اُن اونٹنیوں کے پَیر پہاڑوں کی طرح ہیں گویا وہ	کشتیاں ہیں جو معرفت کے دریا میں تیرتی ہیں
تَدلّت علينا الشمس شمس المعارف	فكنا بضوء الشمس نمشي و ننظرُ
معارف کا سورج ہماری طرف جُھک گیا	پس ہم سورج کی روشنی کے ساتھ چلتے اور دیکھتے ہیں
رأينـا مـراداتٍ تـعسّـر نيلهـا	تـرجّـز غيـثٌ بـعد مكـثٍ يحذّرُ
ہم نے وہ مرادیں پائیں جن کا پانا مشکل تھا	آہستہ آہستہ بادل نے ہماری طرف حرکت کی بعد اُس دیر کے جوڈراتی تھی
عـلىٰ هٰذه نيف و عشرين حجةً	اذا اختـارنـى ربّـى فكنت اُبشّرُ
اس بات پر بیس برس اور کئی سال اوپر گذر گئے	جب کہ خدا نے مجھے چن لیا اور مجھے بشارت ملنے لگی
فـقال سيأْتيک الأُناس و نصرتى	و مـن كـل فـجّ يـأ تيـنّ وتُنصرُ
پس اس نے کہا کہ لوگ تیری طرف آئیں گے اور تیری مدد کریں گے	اور ہر ایک راہ سے لوگ تیری طرف آئیں گے اور تو مدد دیا جائے گا
فتلک الوفود النـازلـون بدارنـا	هو الوعد من ربّى و ان شئت فاذكرْ
پس یہ گروہ در گروہ لوگ جو ہمارے گھر میں اُترتے رہے ہیں	یہ وہی وعدہ خدا کا ہے اور اگر تو چاہے تو یاد کر
و ان كـنـت فـى ريـبٍ و لا تؤمنَن بهٖ	و تـحسـبُ كـذبًا ما اقول و اسطرُ
اور اگر تو شک میں ہے اور اس پر ایمان نہیں لاتا	اور تو میری بات اور تحریر کو جھوٹ سمجھتا ہے
فـاِنّـا كتبنـا فـى البـراهيـن كلّـه	امـورٌ عـليهـا كُـنـتَ مـن قبل تعثرُ
پس ہم نے یہ سب الہامات براہین احمدیہ میں لکھ دیئے ہیں	یہ وہ امور ہیں جن پر تو پہلے سے اطلاع رکھتا ہے
فـلا تتبـع أَهـواء نـفـسٍ مُبيدةٍ	و لا تـختـر الـزّوراءَ عمدًا فتخسرُ
پس نفس ہلاک کرنے والے کا پیرو مت بن	اور ٹیڑھی راہ کو اختیار مت کر پس تو نقصان اٹھائے گا
أَتـعلـم هيْنًا عَثْرَة اللّٰه ذِى العُلٰى	و اِنّ حسـامَ اللّٰـه بـالمَسّ يبترُ
کیا تو خدا سے جنگ کرنا سہل سمجھتا ہے جو بلند ہے	اور خدا کی تلوار چھونے کے ساتھ ہی قتل کر دیتی ہے

﴿۱۵۲﴾ وَ اِن کنت أَزمعتَ النِّضال تھوّرًا	فنأتی کما یأْتی لصید غَضنفرٌ
اور اگر تو نے لڑنے کا ہی قصد کر لیا ہے	تو ہم اس طرح آئیں گے جیسا کہ شکار کے لئے شیر آتا ہے
لنا اُثرۃٌ فِی اللّٰہ مَورٌ مُعبّد	اذا ما اُمرنا منہ لا نتأخّرُ
اور ہمارے لئے ناخوشحالی خدا کی راہ میں ایک مستعمل راہ ہے	جب ہم کو حکم ہو جائے تو ہم تاخیر نہیں کرتے
انترک قول اللہ خوفًا من الوریٰ	انخشٰی لئام الحیّ جبنًا و نحذرُ
کیا لوگوں کے خوف سے خدا کے قول کو ہم ترک کر دیں	کیا ہم بزدل ہو کر لئیم لوگوں کے قبیلہ سے ڈریں
یری اللّٰہ بادیھم و تحت ادیمھم	ولو من عیون الخلق یُخفٰی و یُستر
خدا ان کے باہر اور اندر کو خوب جانتا ہے	اگرچہ لوگوں کی آنکھوں سے وہ حالات پوشیدہ کئے جائیں
فلا تذھبَن عیناک نحو عمائمٍ	و ما تحتھا الّا رءوس تُزوّرُ
پس نہ ہو کہ تُو ان کی پگڑیوں کو دیکھے	اُن کے نیچے ایسے سر ہیں جو فریب کر رہے ہیں
أتطلب دنیا ھم و تبلٰی ریاضھا	و تنسٰی ریاضًا لیس فیھا تغیّرٌ
کیا تو ان کی دنیا کو چاہتا ہے اور وہ باغ خراب وخستہ ہو جائیں گے	اور کیا تو اُن باغوں کو فراموش کرتا ہے جن میں تغیر نہیں آئے گا
و انت تظنّ بی الظنون تغیّظًا	وَ اِنّی بریءٌ من امورٍ تصوّرٗ
اور تو اپنے غصہ سے کئی بدگمانیاں میرے پر کرتا ہے	اور میں ان باتوں سے پاک ہوں جو تیرے تصور میں ہیں
نزلتُ بحرّ الدار دار مھیمن	و تاللّٰہ انک لا ترانی و تھذرُ
میں اپنے خدا کے گھر کی وسط میں داخل ہوں	اور بخدا تو مجھے دیکھتا نہیں اور یونہی بکواس کرتا ہے
أَنَا اللیث لا أَخشی الحمیر و صوتھم	و کیف و ھم صیدی و للصید اَزءرُ
میں شیر ہوں اور گدھوں کی آواز سے نہیں ڈرتا	اور کیونکر ڈروں وہ تو میرے شکار ہیں اور شکار کے لئے میں نعرے مارتا ہوں
أ تُذعِرنی بالفانیات جھالۃً	و اِنّ اذی الدنیا یمرّ و یَطمرُ
کیا تو مجھے فانی چیزوں سے ڈراتا ہے یہ تو جہالت ہے	اور بہ تحقیق دنیا کا دکھ گذر جاتا ہے اور ناپدید ہو جاتا ہے

﴿۱۵۳﴾

وؔ لسنا علی الاعقاب موتٌ یردّنا	ولو فی سبیل اللّٰہ نُدمٰی و نُنحرُ
اورہم ایسےنہیں ہیں کہ کوئی موت ہمیں خدا کی راہ سے ہٹادے	اوراگرچہ خدا کی راہ میں ہم مجروح ہوجائیں یاذبح کئے جائیں
تنکّر وجہ الجاھلین تغیّظًا	اذا اُعثروا من موت عیسٰی و اُخبروا
جاہلوں کا منہ بگڑ گیا مارے غصہ کے	جب ان کو حضرت عیسٰیؑ کے مرنے کی خبر دی گئی
و قالوا کذوبٌ کافرٌ یتبع الھوٰی	و حثّوا علٰی قتلی عوامًا و عیّروا
اورانہوں نے کہا کہ جھوٹا کافر ہے ہوائےنفسانی کی پیروی کرتا ہے	اور میرے قتل کے لئے عوام کو اُٹھایا اور سرزنش کی
فضاقت علینا الارض من شرّ حزبھم	و لو لا ید المولٰی لکنّا نُتبَّرُ
پس ان کے گروہ کی شرارت سے زمین ہم پر تنگ ہوگئی	اور اگر خدا تعالیٰ کا ہاتھ نہ ہوتا تو ہم ہلاک ہو جاتے
فلم یُغن عنھم مکرھم حِیْن اَشرقت	شموس عنایات القدیر فادبروا
پس اُن کے مکر نے ان کو کچھ فائدہ نہ دیا جب کہ	خدا کی مہربانیوں کے آفتاب چمکے اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے
رجَعنا و قد رُدّت الیھم رماحھم	قَضَی الْاَمرَ حِبٌّ لایُبَاریہ منکرٌ
ہم واپس آئے اوران کے نیزے انہیں کی طرف واپس کئے گئے	اُس دوست نے فیصلہ کردیا جس کا کوئی منکر مقابلہ نہیں کرسکتا
من الضغن و الشحناء یھذون کُلّھم	و اَمری مبینٌ واضح لو تفکّروا
کینہ اور دشمنی سے تمام وہ بکواس کر رہے ہیں	اور میری بات روشن اور واضح ہے اگر وہ سوچیں
و اصل التنازع و التخالف بیننا	رخیمٌ قلیلٌ ثُمَّ باللّغو یُکثرُ☆
اور ہم میں اور ان میں جو اختلاف ہے دراصل	وہ مختصر اورتھوڑا ہے پھرلغوخیالات کے ساتھ اس کو بڑھا دیتے ہیں

☆ اصل التنازع فی عیسٰی علیہ السلام اعنی فی انّہ ھل ھو حَیّ او میت فذٰلک امر واضح لقوم یتفکرون قال اللہ تعالٰی یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ[1] فقدّم التوفّی علی الرفع کما انتم تقرء ون. فھٰذا حکم اللّٰہ. و من لم یحکم بما انزل اللّٰہ فاولٰٓئک ھم الکافرون. و لا ینبغی لاحدٍ ان یّحرّف کلم اللّٰہ عن مواضعھا وقد لعن اللّٰہ المحرفین کما انتم تعلمون.ثمّ الشاھد الثانی قولہ تعالٰی فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ[2] فطوبٰی لقومٍ یتدبّرون. ثم الشاھد الثالِث من القراٰن قولہ تعالٰی وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ[3] فبأیّ حدیثٍ بعدہٗ تؤمنون.ولقد رأی عیسٰی نبیّنا صلی اللّٰہ علیہ وسلم لیلۃ المعراج فی الاموات ثم انتم تکفرون. منہ

[1] اٰل عمران : ۵۶ [2] المائدۃ : ۱۱۸ [3] اٰل عمران : ۱۴۵

﴿۱۵۴﴾

جنحنا لسلمٍ شائقین لسلمھم	و جئنا بمُرّانٍ اذا ما تشذّروا
ہم صلح کے لئے جھک گئے اُن کی صلح کے شوق میں	اور ہم نیزہ کے ساتھ نکلے جب وہ لڑنے کے لئے طیار ہوئے
اری اللّٰہ اٰیاتٍ و لٰکن نفوسھم	نفوسٌ معوّجة كنارٍ تسعّرُ
خدا نے کئی نشان دکھائے مگر اُن کے نفس	ایک ٹیڑھے نفس ہیں اور آگ کی طرح ہیں جو افروختہ ہوتی ہے
و لسنا نحب تضاغنا عند سلمھم	و مَن جاء نا سلمًا فانا نُوقّرُ
اور اگر وہ صلح چاہیں تو ہم جنگ پسند نہیں کرتے	اور اگر کوئی صلح کا طالب ہو کر آوے تو ہم اس کی عزت کرتے ہیں
و من ھرنا فنعافه بجزائهٖ	و مَن جاء نا سلمًا فبالسلم نَحضرُ
اور جو ہم سے کراہت کرے ہم اس سے کراہت کرتے ہیں	اور جو صلح کے ساتھ ہمارے پاس آئے پس ہم صلح کے ساتھ آتے ہیں
و كان عدوی بعضھم فی مساء ھم	فاضحوا بایمان و رُشدٍ وابصروا
اور بعض ان کے اپنی شام کے وقت میرے دشمن تھے	پھر دن چڑھتے ہی ایمان اور رُشد ان کو نصیب ہوا اور دیکھنے لگے
و قد زادنی فی العلم و الحلم جھلھم	و سكّنتُ نفسي عند غیظ یكرّرُ
ان کے جہل نے میرا علم اور حلم زیادہ کر دیا	اور ان کے غصہ سے میرا جوش نفس تھم گیا وہ غصہ جو بار بار کیا جاتا ہے
و اعجبنی غیظ العِدا و جنونھم	أَرَاھم كقومٍ من غبوقٍ تخمروا
اور دشمنوں کے غصّہ اور جنون نے مجھے تعجب میں ڈال دیا	مَیں ان کو اُس قوم کی طرح دیکھتا ہوں جو رات کو شراب پی کر چور ہوتے ہیں
تبصر عدوی ھل تری من مزوّرٍ	یؤیّده ربّی كمثلی و ینصرُ
اے میرے دشمن خوب غور سے نگاہ کر کیا کوئی ایسا فریبی ہے	جس کی میری طرح خدا تعالیٰ تائید اور مدد کرتا ہو
تبصّر و انّ العمر لیس بدائمٍ	كلانا و ان طال الزمان سیندر
آنکھ کھول کہ عمر ہمیشہ نہیں رہے گی	اور ہر ایک ہم میں سے اگرچہ زمانہ لمبا ہو جائے ایک دن مرے گا
فمالک لا تخشی الحسیب و ناره	و مالک تختار الجحیم و تُؤثرُ
پس تجھے کیا ہو گیا کہ تو خدائی محاسب سے نہیں ڈرتا	اور تجھے کیا ہو گیا کہ جہنم کو اختیار کر رہا ہے

أَتجعل تکفیری لکفرک مُوجبًا	و لا تتّقی یومًا الی القبر یَهصِرُ ﴿۱۵۵﴾
کیا تُو میری تکفیر کو اپنے کفر کا موجب کرتا ہے	اور اُس دن سے نہیں ڈرتا جو قبر کی طرف کھینچے گا
اذا بُغتَ فی الدنیا من العیش باردًا	فمالک لا تبغی المعادَ و تَنترُ
اور جب کہ تو دنیا کی زندگی میں آرام چاہتا ہے	پس تجھے کیا ہو گیا کہ آخرت کا آرام نہیں چاہتا اور سُست ہو جاتا ہے
فان کنت جوعان الهدی فتحرّنا	الا انا نقری الضیوف و ننحرُ
پس اگر تو ہدایت کا بھوکا ہے تو ہماری طرف قصد کر	ہم مہمانوں کی دعوت کرتے ہیں اور ان کے لئے ذبح کرتے ہیں
إِذَا أَشرقت شمس الهدی و ضیاء ها	تجلّی فلیس الفخر ان صرت تُبصرُ
جب ہدایت کا سورج چمکا اور اس کی روشنی کھل گئی	تو پھر یہ فخر کی بات نہیں کہ تو دیکھنے لگے
و لو کان خوف الله مثقال ذرةٍ	لو افیتنی والسَیلَ بالصدقِ تعبرُ
اور اگر ذرّہ کے موافق خدا تعالیٰ کا خوف ہوتا تو	تو میرے پاس آتا اور اپنے صدق کے ساتھ سیلاب کو اپنے نفس سے دور کرتا
بلمّاعةٍ قَفرٍ رضیت جهالةً	و تسعٰی لفانیةٍ و فی الدین تُقصِرُ
زمین سراب جو سبزہ سے خالی ہے اُس سے تو خوش ہو گیا	اور فانی دنیا کے لئے تو دوڑ رہا ہے اور دین میں تو کوتاہی کرتا ہے
أَثَرتَ غبارًا للاناس لیحسبوا	وجودی مُضِلًّا للورٰی ولِیُکفروا
تُو نے لوگوں کے لئے ایک غبار اٹھایا	تا میرے وجود کو گمراہ کرنے والا خیال کریں اور منکر ہو جائیں
فأَلْهَمَ لی ربّی قلوبًا لیرجعوا	الیّ فصرنا مرجع الخلق فانظرُ
پس میرے خدا نے دلوں میں الہام کیا تا وہ میری طرف رجوع کریں	پس ہم مرجع خلائق ہو گئے سو تو دیکھ لے
کبَیْتٍ اذا طاف المُلبّون حوله	أُزارُ ولی تؤذی النفوس و تُنْحَرُ
پس جس طرح خانہ کعبہ کا لوگ طواف کرتے ہیں	میں زیارت کیا جاتا ہوں اور میری جماعت کے لوگ میرے لئے دکھ دیئے جاتے اور ذبح کئے جاتے ہیں
تریدون توهینی و ربّی یُعزّنی	تریدون تحقیری و ربّی یُوقّرُ
تم میری اہانت چاہتے ہو اور میرا خدا مجھے عزت دیتا ہے	اور تم میری تحقیر چاہتے ہو اور میرا خدا میری بزرگی ظاہر کرتا ہے

﴿۱۵۶﴾ أتبغی بمکرک ذلّتی و ھلاکتی	فذٰلک قصدٌ لستَ فیہ مظفّرٗ
کیا تُو اپنے مکر کے ساتھ میری ذلت اور ہلاکت چاہتا ہے	پس یہ وہ قصد ہے جس میں تو کامیاب نہیں ہوگا
فدع ایّھا المجنون جھدًا مضیّعا	کمثلی نخیلٌ باسق لایُعکَرُ
پس اے دیوانہ اس بیہودہ کوشش کو جانے دے	میرے جیسی بلند کھجور کاٹی نہیں جائے گی
أتکفر باللّٰہ الجلیل و قدرہ	أتحسب کالشیطان انک اَقدرُ
کیا تو خدا اور اس کی قدرت سے انکار کرتا ہے	کیا تو شیطان کی طرح سمجھتا ہے کہ تو زیادہ قادر ہے
تسبّ و ما ادری علٰی ما تسبّنی	أتطلب ثأرًا ثأرَ جدٍّ مُدمّرُ
تو مجھے گالیاں دیتا ہے اور میں نہیں جانتا کہ کیوں دیتا ہے	کیا میں نے تیری کسی جد کا خون کیا ہے جس کا پاداش تو لینا چاہتا ہے
ترانی بفضل اللّٰہ مرجع عالمٍ	و ھل عند قفر من حمامٍ یُھدّرُ
اور تو مجھے دیکھتا ہے کہ مَیں خدا تعالیٰ کے فضل سے مخلوق کا مرجع ہوں	اور کیا ایک ویرانہ زمین میں کبوتر خوش آوازی سے گاتا ہے
و لا یستوی عبد شقی و مقبل	لحاک الحسیبُ تری القبول و تنکرُ
اور ایک محروم اور مقبول دونوں برابر نہیں ہو سکتے	خدا تجھے ملامت کرے تو قبولیت کو دیکھتا ہے اور پھر منکر ہوتا ہے
و انت الذی قلّبت کل جریمۃٍ	عَلَیَّ کَأَنّی شرّ ناسٍ و أفجرُ
اور تُو تو وہ ہے جس نے تمام جرائم میرے پر اُلٹا دیئے	گویا میں بدترین مخلوقات اور سب سے زیادہ بدکار ہوں
فمالک لا تخشی الحسیب و قھرہ	و این تقاۃٌ تدّعی یا مُزوّرُ
پس تجھے کیا ہوگیا کہ تو خدائے محاسب کے قہر سے نہیں ڈرتا	اور تیری تقویٰ کہاں گئی جس کا تو دعویٰ کرتا تھا
و انکَ ان عادیتنی لا تضرّنی	و ان صِرتَ ذِئبًا او بغیظٍ تنمّرُ
اور اگر تو دشمنی کرے تو مجھے نقصان نہیں پہنچا سکے گا	اگرچہ تو بھیڑیا ہو جائے یا چیتا بن جائے
وماالدّھر الّا تارتان فمنھما	لک التارۃ الاولٰی باخریٰ نؤزّرُ
اور زمانہ کے لئے صرف دو نوبتیں ہیں	سو پہلی نوبت تیری ہے اور دوسری ہماری جس میں ہمیں مدد دی جائے گی

وَمَا النفس یا مسکین الّا ودیعةٌ	و لا بُدّ یومًا ان تُردّ و تحضرُ ﴿۱۵۷﴾
اور اے مسکین جان تو ایک امانت ہے	اور ایک دن ضرور ہے کہ تو واپس کیا جائے اور حاضر کیا جائے
أَتبغی الحیاۃ و لا ترید ثمارھا	و ما ھی الّا لعنةٌ لو تفکّرُ
کیا تو زندگی چاہتا ہے اور اُس کے پھل نہیں چاہتا	اور بغیر پھل کے زندگی ایک لعنت ہے اگر تو سوچے
اغرّتک دنیاک الدنیّة زینةً	حذارِ من الموت الذی ھو یبدرُ
کیا تیری ذلیل دنیا نے تجھے مغرور کر دیا	اس موت سے ڈر جو یکدفعہ تیرے پر وارد ہو گی
تُرید ھوانی کل یومٍ ولیلة	و تبغی لوجهٍ مشرقٍ لَو یُغبّرُ
ہر ایک دن اور رات تو میری ذلت چاہتا ہے	اور روشن منہ کے لئے تو چاہتا ہے کہ وہ غبار آلودہ ہو جائے
و انّا و انتم لا نغیب من الذی	یَرَی کلما ننوی و ما نتصوّرُ
اور ہم اور تم اس ذات سے پوشیدہ نہیں ہیں	جو ہمارے وہ تمام خیالات دیکھتا ہے جو ہمارے دل میں ہیں۔
و ما المَرء اِلّا کالحباب وجوده	فان شئتَ نَم فالموت کالصبح یُسفرُ
اور انسان تو محض بلبلہ کی طرح اس کا وجود ہے	پس اگر چاہے تو سوجا پس موت صبح کی طرح ظاہر ہو جائے گی
لدی النخل و الرّمان تنقف حنظلًا	فایّ غبیّ منک فی الدّھر اکبرُ
تو کھجور اور انار کو چھوڑ کر حنظل کو توڑ رہا ہے	پس تجھ سے زیادہ بدبخت اور کون ہو گا
و این ضیاء الصدق ان کنت صادقًا	و کل صدوقٍ بالعلامات یظهرُ
اور صدق کی روشنی کہاں ہے اگر تو صادق ہے	اور ہر ایک صادق علامات سے ظاہر ہوتا ہے
اتؤذی عباداللّٰہ یا عابد الھَوَی	و لا تتّقی ربًّا علیمًا و تجسرُ
کیا تو خدا کے بندوں کو اے بندۂ ہَوا دکھ دیتا ہے	اور خدائے علیم سے نہیں ڈرتا اور دلیری کرتا ہے
اولٰئک قومٌ قد تولّٰی امورھم	قدیرٌ یُوالیھم ویھدی و ینصرُ
یہ ایک قوم ہے کہ ان کے کاموں کا متولّی	ایک قادر ہے جو اُن سے دوستی رکھتا ہے اور انہیں ہدایت کرتا ہے اور مدد دیتا ہے

﴿۱۵۸﴾

وَ تَااللّٰہ لِلایّام دَورٌ و نوبةٌ	فجئنا بایّام الھدی و نُذکّرُ
اور بخدا دنوں کے لئے ایک دَور اور نوبت ہے	پس ہم ہدایت کے دنوں میں آئے اور ہدایت کی راہ یاد دلاتے ہیں
ترٰی بدعات الغیّ و النَّقْعَ ساطعًا	و ما انا الّا غیث فضلٍ فَامطُرُ
تُو گمراہی کی بدعات کو اور گرد بر انگیختہ کو دیکھتا ہے	اور مَیں فضل کا مینہ ہوں جو برس رہا ہوں
و لستُ بفظٍّ کاھرٍ غیر انّنی	اذا استنفرا لا عداءُ بالکُھرِ انفِرُ
اور میں بد زبان اور ترش رو نہیں ہوں مگر مَیں	جس وقت دشمن ترش روئی کے ساتھ مجھ سے نفرت کرتے ہیں تو میں بھی نفرت کرتا ہوں
رأینا الأعاصیر الشدیدة والأذٰی	وصرنا کوحشٍ عند قومٍ یُکفّرُ
ہم نے سخت آندھیاں دیکھیں اور دکھ دیکھا	اور ہم کافر کہنے والوں کی نظر میں وحشی جانوروں کی طرح ٹھہرے
و ما نحذر الأمر الذی ھو واقع	من اللّٰہ مولانا ولو کان خنجرٗ
اور ہم اُس امر سے نہیں ڈرتے کہ وہ واقع ہونے والا ہے	ہمارے خداوند کی طرف سے اور اگرچہ وہ تلوار ہو
کفی اللّٰہ علمًا بالعباد و سِرّھم	فلا تقف ظنًّا لستَ فیہ تبصّرُ
بندوں کے بھیدوں کا علم خاص خدا کو ہے	پس تو ایسے ظن کی پیروی مت کر جس میں تجھے بصیرت نہیں
و ما کنتَ فی ایذاء نفسی مُقصّرًا	تمنّیتَ عند جدارنا لو تسوّرُ
اور تو نے میرے ایذاء دینے میں کوئی کوتاہی نہیں کی	تو نے میری دیوار کے پاس تمنا کی کہ تو دیوار سے جست کر کے چلا جاوے
و واللّٰہ اِن اُجعَل علیک مسلّطًا	فاِنّ یدِی عمّا یجازیک تُقصِرُ
اور بخدا اگر میں تیرے پر مسلّط کیا جاؤں	تو میرا ہاتھ تجھے سزا دینے سے قاصر رہے گا
و واللّٰہ لی فی باطن القلب مُضمَرٌ	سریرة اِشفاق و لو انت تُنکِرُ
اور بخدا میرے دل میں پوشیدہ ہے	خصلت ہمدردی کی اگرچہ تو انکار کرے
أَتَتْنِیْ أُمورٌ منک قد شقّ وقعھا	علیّ و لا کالسّیف بل ھی اَبھرُ
بعض باتیں تیری میرے تک پہنچی ہیں جو میرے پر بہت گراں گذریں	نہ تلوار کی طرح بلکہ کاٹنے میں اس سے بھی زیادہ

وَ مَا کان لی ان اترک الحق خیفةً ۔ انا المنذر العُریان لِلّٰہ اُنذرُ ﴿۱۵۹﴾
اور میں وہ نہیں ہوں کہ جو حق کو ڈر کر چھوڑ دوں ۔ میں ایک برہنہ طور پر ڈرانے والا ہوں اور محض خدا کے لئے ڈراتا ہوں

و ان کنت تزرینا فنبغی لک الھُدٰی ۔ صبرنا و ان تُغری العدا او تھتّرٗ
اوراگر تو ہماری عیب جوئی کرتا ہے تو ہم تیرے لئے ہدایت چاہتے ہیں ۔ اور ہم صبر کرتے ہیں اگرچہ تو دشمنوں کو ہم پر اکساوے یا ہماری بے آبروئی کرے۔

و ان کنت منّی تشتکی فی مقالةٍ ۔ فما ھو اِلّا دون سیفٍ تُشھّرٗ
اور اگر تو مجھ سے کسی کلام کے بارے میں رنجیدہ ہے ۔ تو وہ اس تلوار سے کمتر ہے جو تو کھینچ رہا ہے

فلا تجز عَن من کلمةٍ قلتَ ضِعفھا ۔ و انّک للایذاء بالسوء تجھرٗ
پس ایسے کلمہ سے جزع مت کر جو اس سے دوچند تو کہہ چکا ہے ۔ اور تو ایذاء کے لئے کھلے کھلے طور پر ستاتا ہے

اضیف الینا مِن عمایاتِ قومنا ۔ فساد و کفر و افتراءٌ مُجعثرٗ
ہماری طرف قوم کی نابینائی سے منسوب کیا گیا ۔ فساد اور کفر اور افتراء جو اکٹھا کیا گیا تھا

کَأَنَّا جعلنا عادةً کل لیلةٍ ۔ نُرقّع ثوب الافتراء و نَنشرٗ
گویا ہم نے یہ عادت کر رکھی ہے کہ ہر ایک رات ۔ ہم افتراء کا کپڑا اپیوند کرتے ہیں اور پھر اس کو پھیلا دیتے ہیں اور شہرت دے دیتے ہیں

صبرنا علٰی ایذاء ھم و عُواء ھم ۔ و کلّ خفیٍّ فی العواقب یظھرٗ
ہم نے ان کی ایذاء اور بکواس پر صبر کیا ۔ اور ہر ایک پوشیدہ امر انجام کار ظاہر ہو جاتا ہے

عجبتُ لِاَعْدَائِی یصولون کلھم ۔ و لو کان منھم جاھلٌ اَوْ مزوّرٗ
مجھے دشمنوں سے تعجب آتا ہے کہ سب میرے پر حملہ کر رہے ہیں ۔ اگرچہ ان میں سے کوئی جاہل ہو یا دروغ کو آراستہ کرنے والا ہو

و ھل یصقل الایمانَ او یکشف العمٰی ۔ أَقَاویلُ قومٍ لیس معھم تطھّرٗ
اور کیا ایمان کو صیقل کر سکتے ہیں یا نابینائی دور کر سکتے ہیں ۔ ایسی قوم کے اقوال جن کے ساتھ پاکیزگی نہیں

یفرّون منّی و الظنونُ تعفّنت ۔ و ما اَن اری اھل النھٰی یستنفرٗ
مجھ سے وہ لوگ بھاگتے ہیں اور ان کے ظن سڑ گئے ۔ اور میں عقلمند کو نہیں دیکھتا جو مجھ سے نفرت کرے

﴿۱۶۰﴾ وَ آوذِیتُ من عُمی و لکن کمثلھم	تعامیٰ عنادًا من رأیناہ ینظرُ
اور میں نے اندھوں سے دکھ اٹھایا مگر ان کی طرح	وہ شخص بھی بناوٹ سے اندھا ہوگیا جس کو ہم جانتے ہیں جو سوجاکھا ہے
تری الارض و الاموال مبلغ ھَمِّھم	و زرعًا و دین اللہ نبتٌ مُشَرشَرُ
تو دیکھے گا کہ ان کی انتہائی مراد زمین اور مال اور کھیتی ہے	اور خدا کا دین اُس بوٹی کی طرح ہو گیا ہے جس کو اوپر سے مویشی کھالیں
و تدری الیھودَ و ما رؤا فی مآلھم	کذالک فیھم سنّۃٌ لا تغیّرُ
اور تو یہود کو جانتا ہے اور یہ کہ ان کا کیا حال ہوا	اِسی طرح اس قوم میں خدا کی سنت ہے جو بدلی نہیں جائے گی
أَرَی کل یومٍ فی الفجور زیادۃً	یقِلّ صلاح الناس و الفسق یکثرُ
میں ہر ایک روز بدکاریوں میں زیادتی دیکھتا ہوں	صلاحیت کم ہے اور فسق بڑھتا جاتا ہے
أَرَی کلّھم مُستأْنسین بظلمۃٍ	و فسقٍ و عن دار العفاف تقتّروا
میں اُن کو دیکھتا ہوں کہ ظلمت کے ساتھ مانوس ہو گئے ہیں	اور فسق کے ساتھ مانوس ہیں اور عفت سے دور ہو رہے ہیں
شعرتُ لھم لمّا رأیت مزیۃً	لھم فی ضلال و اعتسافٍ تخیّروا
مَیں نے ان کے لئے نظم میں یہ باتیں لکھیں جب کہ مَیں نے	اُن میں گمراہی اور حد سے بڑھنے میں زیادتی دیکھی
یریدون ان اُعفٰی و اُفنٰی و اُبتر	و ما ھو الّا ھَرّ کلبٍ فیھطرُ
چاہتے ہیں کہ میں مٹا دیا جاؤں اور فنا کیا جاؤں اور کاٹ دیا جاؤں	مگر یہ صرف ایک کتے کی آواز ہے جو آخر ہلاک کیا جاتا ہے
و من کان نجمًا کیف یخفٰی بریقہ	و من صار بدرًا لا محالۃ یبھرُ
اور جو ستارہ ہو اس کی روشنی کیونکر چھپ سکے	اور جو بدر بن گیا وہ غالب آجائے گا
و انّی ببرھانٍ قویٍّ دعوتُھم	و انّی من الرحمٰن حَکَمٌ مُغَذْمِرُ
اور میں نے ایک قوی حجت کے ساتھ اُن کو بلایا ہے	اور میں خدا کی طرف سے اختلاف کا فیصلہ کرنے والا آیا ہوں
و قد جئتُ فی بدر المئین لیعلموا	کمالی و نوری ثم ھم لم یَبْصُرُوا
اور میں ان کے پاس چودھویں صدی میں آیا جو صدیوں کی بدر ہے	تا کہ وہ میرا کمال اور میرا نور جان لیں۔ پھر وہ نہیں دیکھتے

أَلَالَیت شعری ھل رؤا من تجسّسٍ	من الکذب فی امری فکیف تصوّرٗ ﴿۱۶۱﴾
کاش انہیں سمجھ ہوتی کیا انہوں نے تجسّس کے بعد	میرے کام میں کچھ جھوٹ ثابت کیا پس کیونکر تصوّر کر لیا
و اِنّ الوَرَی من کلّ فجٍ یجیئنی	و یسعٰی الینا کلّ من کان یُبصرٗ
اور مخلوق ہر ایک راہ سے میرے پاس آ رہی ہے	اور ہر ایک دیکھنے والا میری طرف دوڑ رہا ہے
و کم من عبادٍ اٰثرونی بصدقھم	علی النفس حتّٰی خُوّفوا ثمّ دُمّروا
بہت سے بندے ایسے ہیں جنہوں نے اپنی جان پر مجھ کو اختیار کر لیا	یہاں تک کہ ڈرائے گئے پھر قتل کئے گئے
و من حزبنا عبداللطیف فانّہ	أَرَی نور صدق منہ خلق تھکّرُوا☆
اور ہمارے گروہ میں سے مولوی عبداللطیف ہیں کیونکہ اُس نے	اپنے صدق کا نور ایسا دکھلایا کہ اُس کے صدق سے لوگ حیران ہو گئے

حاشیہ

☆ **عبداللطیف** جن کا شعر میں ذکر ہوا ہے وہ صاحبزادہ مولوی عبداللطیف کے نام سے موسوم ہیں اور ملک کابل میں اُن کو شاہزادہ مولوی عبداللطیف بھی کہتے ہیں۔ یہ ایک بڑے خاندان کے رئیس اور صاحب علم و فضل و کمال تھے۔ اور پچاس ہزار۵۰۰۰۰ کے قریب ان کے متبعین اور شاگرد اور مرید تھے۔ علم حدیث کی تُخم ریزی اور اشاعت اُس ملک میں مولوی صاحب موصوف کے ذریعہ سے بہت سی ہوئی تھی۔ اور باوجود اس قدر علم اور فضل اور کمال کے جس کی وجہ سے وہ ان ملکوں میں لاثانی شمار کئے جاتے تھے۔ انکسار اور فروتنی اُن کے مزاج میں اس قدر تھی کہ گویا عجب اور تکبر کی قوت ہی اُن میں پیدا نہیں ہوئی تھی درحقیقت سرزمین کابل میں (جو سخت دلی اور بے مہری اور تکبر اور نخوت میں مشہور ہے) ایسے بے نفس اور متواضع اور راستباز انسان کا وجود خارق عادت امر ہے۔

غرض سعادت ازلی مولوی صاحب ممدوح کو کشاں کشاں قادیان میں لے آئی اور چونکہ وہ ایک انسان روشن ضمیر اور بے نفس اور فراست صحیحہ سے پورا حصہ رکھتا تھا۔ اور علم حدیث اور علم قرآن سے ایک وہبی طاقت ان کو نصیب تھی اور کئی رؤیائے صالحہ بھی وہ میرے بارے میں دیکھ چکے تھے اس لئے ﴿۱۶۲﴾
چہرہ دیکھتے ہی مجھے انہوں نے قبول کر لیا اور کمال انشراح سے میرے دعویٰ مسیح موعود ہونے پر ایمان لائے اور جان نثاری کی شرط پر بیعت کی۔ اور ایک ہی صحبت میں ایسے ہو گئے کہ گویا سالہا سال سے میری صحبت میں تھے اور نہ صرف اس قدر بلکہ الہام الٰہی کا سلسلہ بھی اُن پر جاری ہو گیا اور واقعات صحیحہ اُن پر وارد ہونے لگے اور ان کا دل ماسوا اللہ کے بقایا سے بکلی دھویا گیا۔ پھر وہ اس جگہ سے

۱۶۲ جَزی اللّٰہ عَنّادائمًا ذٰلکَ الفتیٰ	قضٰی نحبہ لِلّٰہ فاذکر و فکّرٗ
خدا ہم سے اس جوان کو بدلہ دے	وہ اپنی جان خدا کی راہ میں دے چکا پس سوچ اور فکر کر
عباد یکون کمُبسراتٍ وجودھم	اذا ما اتوا فالغیث یأتی و یمطرٗ
یہ وہ بندے ہیں کہ مان سون ہوا کی طرح ان کا وجود ہوتا ہے	جب آتے ہیں پس ساتھ ہی بارش رحمت کی آتی ہے
أَتَعلم اَبْدَالًا سواھم فانھم	رمُوا بالحجارۃِ فاستقاموا و اَجمروا
کیا تو ان کے سوا کوئی اور لوگ ابدال جانتا ہے کیونکہ وہ لوگ	وہ لوگ ہیں جن پر پتھر چلائے گئے پس انہوں نے استقامت اختیار کی اور ان کی جمعیت باطنی بحال رہی

بقیہ حاشیہ

معرفت اور محبت الٰہیہ سے معمور ہو کر واپس اپنے وطن کی طرف گئے اور ان کے گھر پہنچنے پر امیر کابل کے پاس مخبری کی گئی کہ وہ قادیان گئے اور بیعت کر کے آئے ہیں اور اب اعتقاد رکھتے ہیں کہ مسیح موعود اور مہدی معہود جو آنے والا تھا وہی اُن کا مرشد ہے۔ اس مخبری پر مصالح ملکی کی بنا پر مولوی صاحب موصوف گرفتار کئے گئے اور ایک بڑا زنجیر اُن کے پاؤں میں ڈالا گیا اور کابل کے علماء نے فتویٰ دیا کہ اگر یہ شخص توبہ نہ کرے تو واجب القتل ہے اور سرزمین کابل کے مولویوں سے ان کی بحث کرائی گئی اور ہر ایک بات میں مولویوں کو انہوں نے لاجواب کیا اور پھر یہ عذر اٹھایا گیا کہ یہ شخص جہاد کا بھی منکر ہے۔ اور یہ اعتراض سچ تھا کیونکہ میری تعلیم یہی ہے کہ یہ وقت تلوار چلانے کا وقت نہیں بلکہ اس زمانہ میں پُر زور تقریروں اور دلائل ساطعہ اور حجج باہرہ اور دعاؤں کے ساتھ جہاد کرنا چاہیے۔ غرض اس آخری اعتراض میں مولوی صاحب موصوف ملزم ٹھہر گئے امیر کابل نے کئی مرتبہ فہمائش کی کہ آپ صرف اس شخص کی بیعت سے دست بردار ہو جائیں ۱۶۳
جو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا اور مسئلہ جہاد بالسیف کا مخالف ہے۔ تو پھر آپ بَری ہیں بلکہ آپ کی عزت اور عظمت اور بھی کی جائے گی مگر مولوی صاحب نے قبول نہ کیا اور کہا کہ میں نے آج ایمان کو اپنی جان پر مقدم کر لیا ہے اور میں جانتا ہوں کہ جس کی میں نے بیعت کی ہے وہ سچا ہے اور روئے زمین پر اُس جیسا دوسرا نہیں۔ اور پھر جب اُن کی توبہ سے نومیدی ہوئی تو بڑی بے رحمی سے سنگسار کئے گئے۔ دیکھنے والے بیان کرتے ہیں کہ آج تک ان کی قبر میں سے مشک کی خوشبو آتی ہے۔ رحمہ اللّٰہ و أَدخلہ فی جنانہ۔ جب وہ پکڑے گئے تو کہا گیا کہ اولاد اور بیوی سے ملاقات کر لو۔ فرمایا کہ مجھے کچھ ضرورت نہیں۔ ان کے بارے میں خاص ایک رسالہ چھپ چکا ہے۔ رضی اللّٰہ عنہ۔ منہ

تجلّی علیھم ربھم ربُّ ما بدا	فَفرّوا الی النور القدیم و اَبدروا	﴾۱۶۳﴿
اُن پر ان کا خدا متجلّی ہوا جو تمام مخلوقات کا خدا ہے	پس وہ نور قدیم کی طرف جلدی سے بھاگے	
تَرَاھُمْ تفیض دموعھم من صَبابۃٍ	و فی القلب نیرانٌ و رأسٌ مُغبّرٌ	
تو دیکھے گا ان کو کہ ان کے آنسو جاری ہیں غلبہ محبت الٰہی سے	اور دل میں طرح طرح کی آگ ہے اور سر پر غبار ہے	
انارت بنور الا تقاءِ وجوھھم	فتعرفھم عیناک لو لا التکدرٌ	
تقویٰ کے نور کے ساتھ اُن کے منہ روشن ہو گئے	پس تیری آنکھیں ان کو پہچان لیں گی اگر کدورت لاحق حال نہ ہو	
یُمِیلُون قلب الخلق نحو نفوسھم	بناظرۃٍ تصبو الیھا الخواطرٌ	
لوگوں کے دل اپنی طرف مائل کر دیتے ہیں	اُس آنکھ کے ساتھ کہ اس کی طرف دل میل کرتے ہیں	
کانّ حیات القومِ تحت حیاتھم	بھم زرع دین اللّٰہ یبدو و یَجدرٌ	
گویا قوم کی زندگی ان کی زندگی کے نیچے ہے	ان کے ساتھ دین کا کھیت ظاہر ہوتا اور اپنا سبزہ نکالتا ہے	
و ان کنت تبغی زَورھم زُربخلّۃ	وجوہٌ من الاغیار تخفٰی و تُسترٌ	
پس اگر تو ان کو دیکھنا چاہتا ہے تو دوستی کے ساتھ دیکھ	وہ ایسے منہ ہیں جو غیروں سے چھپائے جاتے ہیں	
کذٰلک طلعت شمسنافی ستارۃٍ	فقلتُ امکثی حتّٰی اُنیرَ و اَبھرٌ	
اسی طرح ہمارا سورج پردہ میں چڑھا	پس میں نے سورج کو کہا کہ ٹھہر جا جب تک میں روشن ہو جاؤں اور دوسری روشنیوں پر غالب ہو جاؤں	
و لسنا بمستورٍ علٰی عین طالب	یرانا الذی یأتی ویرنو و ینظرٌ	﴾۱۶۴﴿
اور ہم ڈھونڈنے والے کی آنکھ سے پوشیدہ نہیں ہیں	ہمیں وہ شخص دیکھ لے گا جو آئے گا اور نظر کرنے میں طریق مداومت اختیار کرے گا	
و لا جبَر اِن تکفر و ان کنت مؤمنًا	فحسبک ما قال الکتاب المطھرٌ	
اور اگر تو انکار کرے تو تیرے پر کوئی جبر نہیں	اور اگر تو ایمان لاوے تو ایمان کے لئے تجھے کتاب اللہ کافی ہے	
و واللّٰہ لا انسٰی ھمومًا لقیتُھا	بتکفیر قومی حین اٰذوا و کَفّروا	
اور بخدا میں ان غموں کو نہیں بھولتا جو میں نے دیکھے	بباعث تکفیر قوم کے جب کہ انہوں نے مجھے دکھ دیا اور کافر ٹھہرایا	

علٰی صادقٍ فَأْسٌ من الظلم وَ الْاَذٰی صادق پر ظلم اور ایذاء کا تبر چل رہا ہے	**فکیف کذوبٌ من ید اللّٰہ یَسترُ** پس کیونکر جھوٹا خدا کے ہاتھ سے چھپ جائے گا
علٰی موت عیسٰی صار قومی کحیّةٍ عیسٰی کی موت پر میری قوم سانپ کی طرح ہوگئی	**وکم من سمومٍ اخرجوھا و اظھروا** اور بہت سی زہریں نکالیں اور ظاہر کیں
توفّی عیسٰی ثم بَعدَ وفاتہٖ عیسٰی مر گیا اور بعد اس کے	**عرا الموتُ عقل جماعتٍ ما تفکّروا** اس جماعت کی عقل پر موت آگئی جنہوں نے فکر نہیں کیا
و لو انّ انسانًا یطیر الی السّما اور اگر کوئی انسان آسمان کی طرف پرواز کر سکتا ہے	**لکان رسول اللّٰہ اولٰی و اَجدرُ** تو اس بات کے لئے ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ لائق تھے
اتترک قول اللّٰہ قولا مصرحًا کیا خدا کے قول کو تو ترک کرتا ہے	**و اِنّ کتاب اللّٰہ اَھدٰی وَ اَنورُ** اورخدا کا کلام بہت ہدایت دینے والا اور بہت روشن ہے
فدَع ذکر اخبارٍ تُخالف قولہ پس ان اخبار کا ذکر چھوڑ دے جو اس کے قول کے مخالف ہیں	**و ایّ حدیثٍ بعدہ یُستَأثرُ** اورکون سی حدیث خدا کا کلام چھوڑ کر اختیار کرنے کے لائق ہے
ودع عنک کبرًا مھلکًا وَ اتَّقِ الرَّدَی اور تکبر ہلاک کرنے والے کو چھوڑ دے ☆	**و اِنّ تقاة المرء تنجی و تثمرُ** بہ تحقیق انسان کی تقوٰی نجات دیتی اور پھل لاتی ہے
أَتصبح کالخفّاش اَعمٰی و ما تَرَی کیا تو صبح کو اُلو کی طرح اندھا ہو جاتا ہے	**و امّا لدی اللیل البھیم فتُبصرُ** اور اندھیری رات میں دیکھنے لگتا ہے
اذا ما وجدت الحق بعد ضلالةٍ جب تو نے گمراہی کے بعد حق پا لیا	**فما البر اِلّا ترک ما کنت تؤثرُ** تو نیکی اسی میں ہے کہ جو کچھ پہلے تو نے اختیار کر رکھا تھا وہ چھوڑ دے
و لا تبغ حَرَزات النفوس و ھتکھم اورتو برگزیدہ انسانوں کی موت اور ہتک عزت کا خواہاں مت بن	**و ھل انت اِلّا دودةٌ یا مزوِّرُ** اورتو کیا چیز ہے صرف ایک کیڑا۔ اے دروغ آراستہ کرنے والے

«۱۶۵»

☆ متن مطابق ایڈیشن اوّل ہے۔ ''وَاتَّقِ الرَّدَی'' کا ترجمہ ''ہلاکت سے بچ'' کاتب کے لکھنے سے رہ گیا ہے (ناشر)

و لو انّ قومی آنسونی لَأَ فْلَحُوا	**مِنَ الذُلّ فی الدّنیا و فی الدّین عُزّروا**
اور اگر میری قوم مجھے دیکھ لیتی تو نجات پا لیتی	دنیا کی ذلت سے اور آخرت میں عزت دی جاتی
و لٰکن قلوبٌ بالیھود تشابھت	**و ھٰذا ھو النبأ الذی جآء فاذکروا**
مگر بعض دل یہودیوں کی طرح ہو گئے	اور یہ وہی خبر ہے جو آچکی ہے۔ پس یاد کرو
فصِرْتُ لھم عیسٰی اذا ما تھوّدوا	**و ھٰذا کفٰی مِنّی لقومٍ تفکّروا**
پس جب وہ یہودی بن گئے تو میں ان کے لئے عیسٰی بن گیا	اور اس قدر بیان میری طرف سے کافی ہے ان کے لئے جو سوچتے ہیں
و قد تَمّ وَعْدُ نبیّنا فی حدیثہٖ	**اذا جاء ھم منھم اِمَامٌ یُذَکِّرُ**
اور بہ تحقیق ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ جو حدیث میں تھا پورا ہو گیا	جب کہ مسلمانوں میں اُنہیں میں سے ایک امام آیا جو نصیحت کرتا اور یاد دلاتا ہے
ابارو ا عوام الناس من سمّ منطقٍ	**و جاء وا ببھتان علینا و زَوّروا**
باتوں کے زہر سے لوگوں کو ہلاک کر دیا	اور ہم پر بہتان لگائے اور جھوٹ بولا
یقولون ما لا یفعلون خیانَةً	**یخالف فی الحالاتِ بیتٌ و منبرٌ**
وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں اور روحانیت کے	حالات کی رُو سے ان کے گھر اور ان کے منبر میں بڑا فرق ہے
الا رُبّ قوّالٍ یُسِرّک قولہ	**ولو تنظرنّ الوجہ ساء ک منظرُ**
کئی بہت باتیں کرنے والے ایسے ہیں کہ ان کی بات تجھے اچھی معلوم ہوگی	مگر جب تو ان کا منہ دیکھے گا تو تجھے وہ برا معلوم ہوگا
تَری العین ما ھو ظاھرٌ غیر کاتم	**و ما تنظر العینان ما ھو یُسترٌ** ﴿۱۶۶﴾
آنکھ صرف اس کو دیکھتی ہے جو ظاہر ہے پوشیدہ نہیں	اور پوشیدہ چیز کو آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں
و فیھم و ان قیل اھتدینا غوایة	**و کبر بہٖ ینمو الضلال و یثمرٌ**
اور ان میں اگرچہ وہ کہیں کہ ہم ہدایت پا گئے ایک گمراہی ہے	اور تکبر ہے جس کے ساتھ گمراہی نشو ونما پاتی اور پھل لاتی ہے
اناسٌ اضاعوا دینھم مِن رعونة	**و اَھواءَ دنیاھم علی الدینِ اٰثروا**
وہ ایسے لوگ ہیں کہ انہوں نے تکبر سے دین کو ضائع کیا	اور دنیا کی خواہشوں کو دین پر اختیار کر لیا

تــأَلّــم قــلبــی مــن أَعــاصیــر جهلهم اُن کی جہالت کی آندھیوں سے میرا دل دردناک ہوگیا	ففی الصدر حُزّازٌ و فی القلب خنجرٌ پس سینہ میں ایک سوزش اور خلش ہے،اور دل میں تلوار ہے
لهـم سَـلَفٌ قـد اخـطأ وا فی بیـانهم ان کے ایسے بزرگ ہیں جنہوں نے اپنے بیان میں خطا کی	فهـم اثــروا آثــارهـم و تـخیّـروا پس انہوں نے ان کے آثار کو اختیار کر لیا
همـمـنـا بـخیـرٍ ثـم ذُقنا جفاء هم ہم نے نیکی کا قصد کیا مگر ان سے ظلم دیکھا	و جئـنـا بـعـدلٍ ثـم للظلم شَمّروا اور ہم عدل کے ساتھ آئے اور انہوں نے ظلم کرنا شروع کیا
و جـدنـا الافـاعِـیّ الـمبیدة دونهم ہم نے ہلاک کرنے والے سانپ اُن سے کم درجہ پر دیکھے	و لا مثلهـم شـرّ الـعقـارب تـابـرٌ اور نہ ان کی طرح بدترین عقارب نیش زنی کرتا ہے
و مَــا نــحــن اِلّا کــالـفتیـل مـذلّة اور ہم ایک ریشۂ خرما کی طرح ان کی نظر میں ہیں	بــاعینهـم بـل مـنــه ادنٰی و احقرٌ بلکہ اس سے بھی زیادہ حقیر اور ذلیل
فـنشـکـوا الـی الـلّٰـه الـقدیر تضرّعًا پس ہم خدائے قادر کی طرف تضرع کے ساتھ شکوہ لے جاتے ہیں	و مَـن مثلُـه عـنـدالـمصائب ینصرٌ اور اس کی طرح کون مصیبتوں کے وقت مدد کرتا ہے
رمٰـی کـل مـن عــادٰی الـیّ سهـامـه ہر ایک دشمن نے میری طرف اپنے تیر چلائے	فَـأَصبحت أَمْشی کالوحید و اُکفَرُ پس میں اکیلا رہ گیا اور کافر قرار دیا گیا
حُسیـنٌ دفـاه الـقوم فی دشت کربلا ایک حسین وہ تھا جس کو دشمنوں نے کربلا میں قتل کیا ﴾۱۶۷﴿	و کَـلّـمـنــی ظـلـمًـا حُسینٌ اٰخـرٌ اور ایک وہ حسین ہے جس نے مجھ کو محض ظلم سے مجروح کیا
ایـا راشـقـی قـد کنتَ تمدح منطقی اے میرے پر تیر چلانے والے ایک زمانہ وہ تھا جو تو میری باتوں کی تعریف کرتا تھا	و تُثــنــی عــلــیّ بــاُلـفةٍ و تُـوقِّـرُ اور محبت کے ساتھ میری تعریف کرتا تھا اور میری عزت کرتا تھا
و لِـلّٰـه دَرّک حیـن قَـرّظـتَ مخلصًا اور تو نے کیا خوب میری کتاب	کـتـابـی و صـرتَ لکلِّ ضالٍّ مُخفّرٌ براہین احمدیہ کا اخلاص سے ریویو لکھا تھا اور ہر ایک گمراہ کے لئے رہنما ہوگیا تھا

وانت الذی قد قال فی تقریظہٖ اور تو وہی ہے جس نے اپنے ریویو میں لکھا تھا	کمثل المؤلف لیس فینا غضنفرٌ کہ اس مؤلف کی طرح ہم میں کوئی بھی دین کی راہ میں شیر نہیں
عرفتَ مقامی ثم أنکرتَ مُدبرًا تو نے میرے مقام کو شناخت کیا پھر منکر ہو گیا	فما الجھل بعد العلم ان کنتَ تشعرُ پس یہ کیسا جہل ہے جو علم کے بعد دیدہ ودانستہ وقوع میں آیا
کمثلک مع علمٍ بحالی. و فطنۃٍ تیرے جیسا آدمی میرے حال سے واقف اور دانا	عجبتُ لہٗ یبغی الھدٰی ثم یاطرُ ☆ تعجب ہے کہ وہ ہدایت پر آ کر پھر راہِ راست چھوڑ دے
قَطعتَ ودادًا قد غرسناہ فی الصبا تو نے اُس دوستی کو کاٹ دیا جس کا درخت ہم نے ایامِ کودکی میں لگایا تھا	و لیس فؤادی فی الوداد یقصِّرُ مگر میرے دل نے دوستی میں کوئی کوتاہی نہیں کی

علٰی غیر شیءٍ قُلتَ ما قلت عُجلۃً
کسی بات پر تو نے نہیں کہا جو کچھ کہا جلدی سے

وَ واللّٰہ انّی صادقٌ لا اُزوّرُ
اور بخدا میں سچا ہوں میں نے جھوٹ نہیں بولا

☆ مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب نے اپنے رسالہ اشاعت السنۃ میں جہاں اس بات کا میری نسبت اقرار کیا ہے کہ میں اس زمانہ میں دین کی حمایت میں متفرد ہوں اور دین اسلام کی راہ میں فدا ہوں اور خدا کی راہ میں ایک بے بدل شجاع ہوں۔ ساتھ ہی اپنی نسبت یہ بھی اقرار کر دیا ہے کہ مجھ سے زیادہ اس شخص کے اندرونی حالات کا کوئی بھی واقف نہیں۔ منہ

﴿۱۶۸﴾

مولوی سیّد محمد عبدالواحد صاحب کے بعض شبہات کا اِزالہ☆

قولہ۔ آیت کریمہ مَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ میں یہ شبہ باقی ہے کہ **ما صلبوہ** کے اگر یہ معنے ہیں کہ صلیب کے ذریعہ سے یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہلاک نہیں کیا تھا تو اس تقدیر میں **مـا قتـلوہ** کا لفظ جو اُس پر مقدّم ہے محض بیکار ہو جاتا ہے۔ اور اگر یہ کہا جاوے کہ **مـا قتـلوہ** کے لفظ کو اس لئے بڑھایا گیا ہے تا کہ دلالت کرے اس بات پر کہ بہ نیّت قتل ٹانگیں ان کی نہیں توڑی گئیں تھیں تو بر تقدیر تسلیم اس بات کے بھی لفظ **مـا قتلوہ** کا بعد لفظ **مـا صـلبوہ** کے واقع ہونا چاہیے تھا کیونکہ ٹانگیں بعد صلیب سے اتارے جانے کے توڑی جاتی ہیں۔ پس وجہ تقدیم **ما قتلوہ** کی اوپر **ما صلبوہ** کے کیا ہے؟ ارشاد فرماویں۔

اقول۔ یاد رہے کہ قرآن شریف کی یہ آیتیں ہیں جن میں مذکورہ بالا ذکر ہے۔ وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا[1] الجزو نمبر ۶ سورۃ النساء

ترجمہ۔ اور ان کا (یعنی یہود کا) یہ کہنا کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے حالانکہ نہ انہوں نے اس کو قتل کیا اور نہ صلیب دیا بلکہ یہ امر اُن پر مشتبہ ہو گیا۔ اور جو لوگ عیسیٰ کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں (یعنی عیسائی کہتے ہیں کہ عیسیٰ زندہ آسمان پر اٹھایا گیا اور یہودی کہتے ہیں کہ ہم نے اس کو ہلاک کر دیا) یہ دونوں گروہ محض شک میں پڑے ہوئے ہیں حقیقت حال کی

☆ یہ مولوی صاحب مقام برہمن بڑیہ ضلع ٹپارہ ملک بنگالہ میں مدرس سکول و قاضی ہیں۔ منه

[1] النسآء: ۱۵۸، ۱۵۹

اُن کو کچھ بھی خبر نہیں اور صحیح علم اُن کو حاصل نہیں محض اٹکلوں کی پیروی کرتے ہیں۔ یعنی نہ عیسیٰ ﴾۱۶۹﴿
آسمان پر گیا جیسا کہ عیسائیوں کا خیال ہے اور نہ یہودیوں کے ہاتھ سے ہلاک کیا گیا جیسا کہ یہودیوں کا گمان ہے بلکہ صحیح بات ایک تیسری بات ہے کہ وہ مخلصی پا کر ایک دوسرے ملک میں چلا گیا اور خود یہودی یقین نہیں رکھتے کہ انہوں نے اس کو قتل کر دیا بلکہ خدا نے اُس کو اپنی طرف اُٹھا لیا اور خدا غالب اور حکمتوں والا ہے۔☆

اب ظاہر ہے کہ ان آیات کے سر پر یہ قول یہودیوں کی طرف سے منقول ہے کہ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ یعنی ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم کو قتل کیا۔ سو جس قول کو خدا تعالیٰ نے یہودیوں کی طرف سے بیان فرمایا ہے ضرور تھا کہ پہلے اسی کو ردّ کیا جاتا اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے قتلوا کے لفظ کو صلبوا کے لفظ پر مقدم بیان کیا کیونکہ جو دعویٰ اس مقام میں یہودیوں کی طرف سے بیان کیا گیا ہے وہ تو یہی ہے کہ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ۔

پھر بعد اس کے یہ بھی معلوم ہو کہ حضرت عیسیٰ کے ہلاک کرنے کے بارے میں کہ کس طرح ان کو ہلاک کیا۔ یہودیوں کے مذہب قدیم سے دو ہیں۔ ایک فرقہ تو کہتا ہے کہ تلوار کے ساتھ پہلے ان کو قتل کیا گیا تھا اور پھر ان کی لاش کو لوگوں کی عبرت کے لئے صلیب پر یا درخت پر لٹکایا گیا۔ اور دوسرا فرقہ یہ کہتا ہے کہ اُن کو صلیب دیا گیا تھا اور پھر بعد صلیب ان کو قتل کیا گیا۔ اور یہ دونوں فرقے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں موجود تھے اور اب بھی موجود ہیں۔ پس چونکہ ہلاک کرنے کے وسائل میں یہودیوں کو اختلاف تھا۔ بعض ان کی ہلاکت کا ذریعہ اوّل قتل قرار دے کر پھر صلیب کے قائل تھے اور بعض صلیب کو قتل پر مقدم

☆ یہودیوں کا یہ کہنا کہ ہم نے عیسیٰ کو قتل کر دیا اس قول سے یہودیوں کا مطلب یہ تھا کہ عیسیٰ کا مومنوں کی طرح خدا تعالیٰ کی طرف رفع نہیں ہوا کیونکہ توریت میں لکھا ہے کہ جھوٹا پیغمبر قتل کیا جاتا ہے۔ پس خدا نے اس کا جواب دیا کہ عیسیٰ قتل نہیں ہوا بلکہ ایمانداروں کی طرح خدا تعالیٰ کی طرف اس کا رفع ہوا۔ منہ

سمجھتے تھے اس لئے خدا تعالیٰ نے چاہا کہ دونوں فرقوں کا رد کر دے مگر چونکہ جس فرقہ کی تحریک سے یہ آیات نازل ہوئی ہیں وہ وہی ہیں جو قبل از صلیب قتل کا عقیدہ رکھتے تھے اس لئے قتل کے گمان کا ازالہ پہلے کر دیا گیا اور صلیب کے خیال کا ازالہ بعد میں۔

افسوس کہ یہ شبہات دلوں میں اسی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ عموماً اکثر مسلمانوں کو نہ یہودیوں کے فرقوں اور ان کے عقیدہ سے پوری واقفیت ہے اور نہ عیسائیوں کے عقیدوں کی پوری اطلاع ہے۔ لہٰذا میں مناسب دیکھتا ہوں کہ اس جگہ میں یہودیوں کی ایک پُرانی کتاب ﴿۱۷۰﴾
میں سے جو قریباً انیس سو برس کی تالیف ہے اور اس جگہ ہمارے پاس موجود ہے ان کے اس عقیدہ کی نسبت جو حضرت مسیح کے قتل کرنے کے بارے میں ایک فرقہ ان کا رکھتا ہے بیان کر دوں۔ اور یاد رہے کہ اس کتاب کا نام تولیدوت یشوع ہے جو ایک قدیم زمانہ کی ایک عبرانی کتاب مصنفہ بعض علماء یہود ہے۔ چنانچہ اس کتاب کے صفحہ ۳۱ میں لکھا ہے۔ ”پھر وہ (یعنی یہودی لوگ) یسوع کو باہر سزا کے میدان میں لے گئے اور اس کو سنگسار کر کے مار ڈالا اور جب وہ مر گیا تب اس کو کاٹھ پر لٹکا دیا تا کہ اس کی لاش کو جانور کھائیں اور اس طرح مردہ کی ذلت ہو۔ اس قول کی تائید انجیل کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جہاں لکھا ہے کہ ”یسوع جسے تم نے قتل کر کے کاٹھ پر لٹکایا“۔ دیکھو اعمال باب ۵ آیت ۳۰۔☆

☆ یہودی فاضل جواب تک موجود ہیں اور بمبئی اور کلکتہ میں بھی پائے جاتے ہیں عیسائیوں کے اِس قول پر کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر چلے گئے ہیں بڑا ٹھٹھا اور ہنسی کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ لوگ کیسے نادان ہیں جنہوں نے اصل بات کو سمجھا نہیں کیونکہ قدیم یہودیوں کا تو یہ دعویٰ تھا کہ جو شخص صلیب دیا جائے وہ بے دین ہوتا ہے اور اس کی روح آسمان پر اٹھائی نہیں جاتی۔ اس دعویٰ کے رد کرنے کے لئے عیسائیوں نے یہ بات بنائی کہ گویا حضرت عیسیٰ مع جسم آسمان پر چلے گئے ہیں تا وہ داغ جو مصلوب ہونے سے حضرت عیسیٰ پر لگتا تھا وہ دور کر دیں مگر اس منصوبہ میں

انجیل کے اس فقرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے قتل کیا پھر کاٹھ پر لٹکایا☆۔ اور یاد رہے کہ جیسا کہ پادریوں کی عادت ہے انجیلوں کے بعض اردو ترجمہ میں اس فقرہ کو بدلا کر لکھ دیا گیا ہے مگر انگریزی انجیلوں میں اب تک وہی فقرہ ہے جو ابھی ہم نے نقل کیا ہے۔ بہرحال یہ ثابت شدہ امر ہے کہ یہودیوں کے حضرت عیسیٰ کے ہلاک کرنے کے بارے میں دو مذہب ہیں۔ ﴿۱۷۱﴾

حاشیہ

انہوں نے نہایت نادانی ظاہر کی کیونکہ یہودیوں کا یہ تو عقیدہ نہیں کہ جو شخص مع جسم آسمان پر نہ جاوے وہ بے دین اور کافر ہوتا ہے اور اس کی نجات نہیں ہوتی کیونکہ بموجب عقیدہ یہودیوں کے حضرت موسیٰ بھی مع جسم آسمان پر نہیں گئے۔ یہودیوں کی حجت تو یہ تھی کہ بموجب حکم توریت کے جو شخص کاٹھ پر لٹکایا جائے اس کی روح آسمان پر اُٹھائی نہیں جاتی کیونکہ صلیب جرائم پیشہ لوگوں کے ہلاک کرنے کا آلہ ہے۔ پس خدا اس سے پاک تر ہے کہ ایک مطہر اور ﴿۱۷۱﴾ راستباز مومن کو صلیب کے ذریعہ سے ہلاک کرے سو توریت میں یہی حکم لکھ دیا گیا کہ جو شخص صلیب کے ذریعہ سے مارا جائے وہ مومن نہیں اور اس کی روح خدا تعالیٰ کی طرف اٹھائی نہیں جاتی یعنی رفع الی اللہ نہیں ہوتا اور جب کہ مسیح صلیب کے ذریعہ سے ہلاک ہو گیا تو اس سے نعوذ باللہ بقول یہود ثابت ہو گیا کہ وہ ایمان دار نہ تھا۔ اور اس کی روح خدا تعالیٰ کی طرف اٹھائی نہیں گئی۔ پس اس کے مقابل پر یہ کہنا کہ مسیح مع جسم آسمان پر چلا گیا یہ حماقت ہے اور ایسے بیہودہ جواب سے یہودیوں کا اعتراض بدستور قائم رہتا ہے کیونکہ ان کا اعتراض رفع روحانی کے متعلق ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف رفع ہو نہ رفع جسمانی کے متعلق جو آسمان کی طرف ہو۔ اور قرآن شریف جو اختلاف نصاریٰ اور یہود کا فیصلہ کرنے والا ہے اس نے اپنے فیصلہ میں یہی فرمایا کہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ[۱] یعنی خدا نے عیسیٰ کو اپنی طرف اٹھالیا۔ اور ظاہر ہے کہ خدا کی طرف روح اٹھائی جاتی ہے نہ جسم۔ خدا نے یہ تو نہیں فرمایا کہ **بل رفعه اللّٰه الی السماء** بلکہ فرمایا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ اور اس مقام میں خدا تعالیٰ کا صرف یہ کام تھا جو یہودیوں کا اعتراض ﴿۱۷۲﴾

[۱] النسآء: ۱۵۹ ☆ از طرف ناشر:۔ The God of our fathers raised up Jesus , whom Ye slew and hanged on tree. Acts 5: 30 (The Holy Bible , King James Version American Bible Society New York)

جن میں سے ایک یہ ہے کہ اوّل قتل کیا اور پھر صلیب دیا۔ پس اِس مذہب کا بھی رد کرنا ضروری تھا اور ایسے خیال کے لوگوں کا پہلی آیت میں ذکر بھی ہے۔ یعنی اس آیت میں کہ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ [1] پس جب کہ دعویٰ یہ تھا کہ ہم نے عیسیٰ کو قتل کیا۔ تو ضرور تھا کہ پہلے اسی دعویٰ کو رد کیا جاتا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے رد کو مکمل کرنے کے لئے دوسرے فرقہ کا بھی اس جگہ رد کر دیا جو کہتے تھے کہ ہم نے پہلے صلیب دیا ہے۔ پس اس کے رد کے لئے

بقیہ حاشیہ

دور کرتا جو رفع روحانی کے انکار میں ہے اور نیز عیسائیوں کی غلطی کو دور فرماتا۔☆ پس خدا تعالیٰ نے ایک ایسا جامع لفظ فرمایا جس سے دونوں فریق کی غلطی کو ثابت کر دیا کیونکہ خدا تعالیٰ کا یہ قول کہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ۔ صرف یہی ثابت نہیں کرتا کہ مسیح کا رفع روحانی خدا تعالیٰ کی طرف ہو گیا

☆ حاشیہ در حاشیہ

اگر خدا تعالیٰ کی ان آیات میں یعنی بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں صرف یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مع جسم عنصری دوسرے یا چوتھے آسمان پر پہنچائے گئے تھے تو ہمیں کوئی بتلائے کہ یہودیوں کے اس اعتراض کا کن آیات میں جواب ہے جو وہ کہتے ہیں جو مومنوں کی طرح حضرت عیسیٰ کا رفع روحانی خدا تعالیٰ کی طرف نہیں ہوا۔ یہ تو نعوذ باللہ قرآن شریف کی ہتک ہے کہ اعتراض تو یہودیوں کا کوئی اور تھا اور جواب کوئی اور دیا گیا۔ گویا خدا تعالیٰ نے یہودیوں کا منشاء نہیں سمجھا۔ یہودی تو اس بارے میں حضرت عیسیٰ سے کوئی خصوصیت کا معجزہ نہیں چاہتے تھے۔ ان کا تو یہی اعتراض تھا کہ عام مومنوں کی طرح اُن کا رفع نہیں ہوا۔ اور ان کا جواب تو صرف ان الفاظ سے دینا چاہیے تھا کہ ان کا رفع خدا تعالیٰ کی طرف ہو گیا ہے۔ پس اگر ممدوحہ بالا آیت کا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ آسمان پر بٹھانے کا مطلب ہے تو یہ تو یہودیوں کے اعتراض کا جواب نہیں ہے۔ قرآن شریف کی نسبت یہ خیال کہ سوال دیگر اور جواب دیگر ایسا خیال تو کفر تک پہنچ جاتا ہے جب کہ قرآن شریف کا یہ بھی منصب ہے کہ یہود کی اُن غلط تہمتوں کو دور کرے جو حضرت عیسیٰ پر انہوں نے لگائی تھیں تو منجملہ ان تہمتوں کے یہ بھی یہود کی ایک تہمت تھی کہ وہ حضرت عیسیٰ کے رفع روحانی کے منکر تھے اور اس طور سے نعوذ باللہ ان کو کافر ٹھہراتے تھے۔ پس قرآن شریف کا فرض تھا کہ اس تہمت سے اُن کو بری کرتا۔ سو اگر ان آیتوں میں اس نے حضرت عیسیٰ کو اس تہمت سے بری نہیں کیا تو قرآن شریف میں سے اور ایسی آیتیں پیش کرنی چاہئیں جن میں اس نے اس تہمت سے حضرت عیسیٰ کو بری کر دیا ہے۔ منہ

[1] النسآء: ۱۵۸

ما صلبوہ فرمادیا۔ اور بعد اس کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا [1]۔
ترجمہ:۔ یعنی عیسیٰ نہ قتل کیا گیا اور نہ صلیب دیا گیا بلکہ ان لوگوں پر حقیقت حال مشتبہ کی گئی۔ اور یہود و نصاریٰ جو مسیح کے قتل یا رفع روحانی میں اختلاف رکھتے ہیں محض شک میں مبتلا ہیں۔ اُن میں سے کسی کو بھی علم صحیح حاصل نہیں محض ظنوں اور شکوک میں گرفتار ہیں اور

بقیہ حاشیہ

اور وہ مومن ہے بلکہ یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ آسمان کی طرف اس کا رفع نہیں ہوا کیونکہ خدا تعالیٰ جو تجسم اور جہات اور احتیاج مکان سے پاک ہے اس کی طرف رفع ہونا صاف بتلا رہا ہے کہ وہ جسمانی رفع نہیں بلکہ جس طرح اور تمام مومنوں کی روحیں اُس کی طرف جاتی ہیں۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح بھی اُس کی طرف گئی۔ ہر ایک ذی علم جانتا ہے کہ قرآن شریف اور احادیث سے ثابت ہے کہ جب مومن فوت ہوتا ہے اس کی روح خدا کی طرف جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْ إِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ
وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ [2] یعنی اے روح اطمینان یافتہ اپنے رب کی طرف واپس چلی آ وہ تجھ سے راضی اور تو اُس ﴾۱۷۳﴿
سے راضی۔ اور میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میرے بہشت میں داخل ہو جا۔ اور یہی یہودیوں کا عقیدہ تھا کہ مومن کی روح کا رفع خدا تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے اور بے دین اور کافر کا رفع خدا تعالیٰ کی طرف نہیں ہوتا اور وہ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کافر اور بے دین سمجھتے تھے کہ اس شخص نے خدا پر افتراء کیا ہے اور یہ سچا نبی نہیں ہے۔ اور اگر سچا ہوتا تو اُس کے آنے سے پہلے الیاس نبی دوبارہ دنیا میں آتا۔ اسی لئے وہ لوگ یہی عقیدہ رکھتے تھے اور اب تک رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کی روح مومنوں کی طرح خدا تعالیٰ کی طرف نہیں گئی بلکہ نعوذ باللہ شیطان کی طرف گئی۔ اور خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہود کو جھوٹا ٹھہرایا اور ساتھ ہی عیسائیوں کو بھی دروغ گو قرار دیا۔ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بڑے بڑے

[1] النسآء : ۱۵۸ [2] الفجر: ۲۸ تا ۳۱

وہ خود یقین نہیں رکھتے کہ سچ مچ عیسیٰ کو قتل کر دیا گیا تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ عیسائیوں میں بعض ﴿۱۷۲﴾
فرقے اس بات کے قائل ہیں کہ مسیح کی آمد ثانی الیاس نبی کی طرح بروزی طور پر ہے یعنی یہ
عقیدہ بالکل غلط ہے کہ مسیح زندہ آسمان پر بیٹھا ہے بلکہ درحقیقت وہ فوت ہو چکا ہے اور یہ جو
وعدہ ہے کہ آخری زمانہ میں مسیح دوبارہ آئے گا اس آمد ثانی سے مراد ایک ایسے آدمی کا آنا ہے
کہ جو عیسیٰ مسیح کی خو اور خُلق پر ہو گا نہ یہ کہ عیسیٰ خود آ جائے گا۔ چنانچہ کتاب ''نیو لائف آف جیزس''
جلد اوّل صفحہ ۴۱۰ مصنفہ ڈی ایف سٹراس میں اس کے متعلق ایک عبارت ہے جس کو میں
اپنی کتاب ''تحفہ گولڑویہ'' کے صفحہ ۱۲۷ میں درج کر چکا ہوں اور اس جگہ اس کے ترجمہ پر کفایت
کی جاتی ہے اور وہ یہ ہے:۔

''اگرچہ صلیب کے وقت ہاتھ اور پاؤں دونوں پر میخیں ماری جائیں پھر بھی
بہت تھوڑا خون انسان کے بدن سے نکلتا ہے اس واسطے صلیب پر لوگ رفتہ رفتہ
اعضاء پر زور پڑنے کے سبب تشنج میں گرفتار ہو کر مر جاتے ہیں یا بھوک سے مر
جاتے ہیں۔ پس اگر فرض بھی کر لیا جاوے کہ قریب چھ ۶ گھنٹہ صلیب پر رہنے ﴿۱۷۳﴾
کے بعد یسوع جب اتارا گیا تو وہ مرا ہوا تھا۔ تب بھی نہایت ہی اغلب بات یہ
ہے کہ وہ صرف ایک موت کی سی بیہوشی تھی۔ اور جب شفا دینے والی مرہمیں اور

بقیہ حاشیہ: افتراء کئے ہیں۔ ایک جگہ طالمود میں جو یہودیوں کی حدیثوں کی کتاب ہے لکھا ہے کہ یسوع کی لاش کو جب
دفن کیا گیا تو ایک باغبان نے جس کا نام یہودا اسکریوطی تھا لاش کو قبر سے نکال کر ایک جگہ پانی کے روکنے کے
واسطے بطور بندھ کے رکھ دیا۔ یسوع کے شاگردوں نے جب قبر کو خالی پایا تو شور مچا دیا کہ وہ مع جسم آسمان پر
چلا گیا تب وہ لاش ملکہ ہَیلنیا کے روبرو سب کو دکھائی گئی اور یسوع کے شاگرد سخت شرمندہ ہوئے (لعنۃ اللّٰہ
علی الکاذبین) دیکھو جیوئش انسائیکلوپیڈیا صفحہ ۱۷۲ جلد نمبر ۷۔ یہ انسائیکلوپیڈیا یہودیوں کی ہے۔ منہ

نہایت خوشبودار دوائیاں مل کر اُسے غار کی ٹھنڈی جگہ میں رکھا گیا تو اُس کی بیہوشی دور ہوئی۔ اس دعوے کی دلیل میں عموماً یوسفس کا واقعہ پیش کیا جاتا ہے جہاں یوسفس نے لکھا ہے کہ میں ایک دفعہ ایک فوجی کام سے واپس آ رہا تھا تو راستہ میں مَیں نے دیکھا کہ کئی ایک یہودی قیدی صلیب پر لٹکے ہوئے ہیں ان میں سے میں نے پہچانا کہ تین میرے واقف تھے۔ پس ٹیٹس (حاکم وقت) سے اُن کے اتار لینے کی اجازت حاصل کی اور ان کو فوراً اتار کر اُن کی خبر گیری کی تو ایک بالآخر تندرست ہوگیا پر باقی دو مر گئے۔''

اور کتاب ''ماڈرن دوٹ اینڈ کرسچن بیلیف☆'' کے صفحہ ۴۵۵ و ۴۵۷ و ۳۴۷ میں انگریزی میں ایک عبارت ہے جس کو ہم اپنی کتاب ''تحفہ گولڑویہ'' کے صفحہ ۱۳۸ میں لکھ چکے ہیں۔ ترجمہ اس کا ذیل میں لکھا جاتا ہے اور وہ یہ ہے:۔ ﴿۱۷۴﴾

''شلیر میخر اور نیز قدیم محققین کا یہ مذہب تھا کہ یسوع صلیب پر نہیں مرا بلکہ ایک ظاہراً موت کی سی حالت ہوگئی تھی اور قبر سے نکلنے کے بعد کچھ مدت تک اپنے حواریوں کے ساتھ پھرتا رہا اور پھر دوسری یعنی اصلی موت کے واسطے کسی علیحدگی کے مقام کی طرف روانہ ہوگیا''۔

اور یسعیا نبی کی کتاب باب ۵۳ میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی دعا بھی جو انجیل میں موجود ہے یہی ظاہر کر رہی ہے جیسا کہ اُس میں لکھا ہے۔ دَعَا بِدُمُوْعٍ جَارِيَةٍ و عَبَرَاتٍ مُتَحَدِّرَةٍ فَسُمِعَ لِتَقْوَاهُ۔ یعنی عیسیٰ نے بہت گریہ وزاری سے دعا کی اور اُس کے آنسو اُس کے رخساروں پر پڑتے تھے پس بوجہ اُس کے تقویٰ کے وہ دعا منظور ہوگئی۔

☆ Modern Doubt & Christian Belief P.347,455,457

اور کریئیر ڈلا سیرا جنوبی اٹلی کے سب سے مشہور اخبار نے مندرجہ ذیل عجیب خبر شائع کی ہے
''۱۳۔ جولائی ۱۸۷۹ء کو یروشلم میں ایک بوڑھا راہب مسمی کورمرا جو اپنی زندگی میں ایک ولی مشہور تھا۔ اُس کے پیچھے اس کی کچھ جائیداد رہی۔ اور گورنر نے اس کے رشتہ داروں کو تلاش کر کے اُن کے حوالہ دو لاکھ فرینک (ایک لاکھ پونے اُنیس ہزار روپیہ) کئے جو مختلف ملکوں کے سکّوں میں تھے۔ اور اس غار میں سے ملے جہاں وہ راہب بہت عرصہ سے رہتا تھا۔ روپیہ کے ساتھ بعض کاغذات بھی ان رشتہ داروں کو ملے جن کو وہ پڑھ نہ سکتے تھے۔ چند عبرانی زبان کے فاضلوں کو ان کاغذات کے دیکھنے کا موقعہ ملا تو ان کو یہ عجیب بات معلوم ہوئی کہ یہ کاغذات بہت ہی پرانی عبرانی زبان میں تھے۔ جب ان کو پڑھا گیا تو اُن میں یہ عبارت تھی۔
''پطرس ماہی گیر یسوع مریم کے بیٹے کا خادم اس طرح پر لوگوں کو خدا تعالیٰ کے نام میں اور اس کی مرضی کے مطابق خطاب کرتا ہے۔'' اور یہ خط اس طرح ختم ہوتا ہے۔

''میں پطرس ماہی گیر نے یسوع کے نام میں اور اپنی عمر کے نوے سال میں یہ محبت کے الفاظ اپنے آقا اور مولیٰ یسوع مسیح مریم کے بیٹے کی موت کے تین عید فسح بعد (یعنی تین سال بعد) خداوند کے مقدس گھر کے نزدیک بولیر کے مقام میں لکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔'' ﴿۱۷۵﴾

ان فاضلوں نے نتیجہ نکالا ہے کہ یہ نسخہ پطرس کے وقت کا چلا آتا ہے۔ لنڈن بائیبل سوسائٹی کی بھی یہی رائے ہے اور ان کا اچھی طرح امتحان کرانے کے بعد بائیبل سوسائٹی اب ان کے عوض چار لاکھ لیرا (دو لاکھ ساڑھے سینتیس ہزار روپیہ) مالکوں کو دے کر کاغذات کو لینا چاہتی ہے۔
یسوع ابن مریم کی دعا۔ ان دونوں پر سلام ہو۔ اُس نے کہا۔ اے میرے خدا میں اس قابل نہیں کہ اس چیز پر غالب آسکوں جس کو میں بُرا سمجھتا ہوں۔ نہ میں نے اس نیکی کو حاصل کیا ہے جس کی مجھے خواہش تھی مگر دوسرے لوگ اپنے اجر کو اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں اور میں نہیں۔ لیکن میری بڑائی میرے کام میں ہے۔ مجھ سے زیادہ بُری حالت میں کوئی شخص نہیں ہے۔ اے خدا جو سب سے بلند تر ہے میرے گناہ معاف کر۔ اے خدا ایسا نہ کر کہ میں اپنے

دشمنوں کے لئے الزام کا سبب ہوں۔ نہ مجھے اپنے دوستوں کی نظر میں حقیر ٹھہرا اور ایسا نہ ہو کہ میرا تقویٰ مجھے مصائب میں ڈالے۔ ایسا نہ کر کہ یہی دنیا میری بڑی خوشی کی جگہ یا میرا بڑا مقصد ہو اور ایسے شخص کو مجھ پر مسلط نہ کر جو مجھ پر رحم نہ کرے۔ اے خدا جو بڑے رحم والا ہے اپنے رحم کی خاطر ایسا ہی کر۔ تُو ان سب پر رحم کرتا ہے جو تیرے رحم کے حاجت مند ہیں۔

قولہ ۔آیت کریمہ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ[1] میں یہ شبہ باقی ہے کہ لفظ بل فقرہ **رفعہ اللّٰہ الیہ** کو **ما قتلوہ یقینًا** کے ساتھ ایک خاص ربط بخشتا ہے جس سے ان دونوں واقعات کا باہم اِتصال سمجھا جاتا ہے۔ پس یہ بظاہر مقتضی اِس بات کا ہے کہ واقع رفع کا زمانہ واقع قتل کے زمانہ کے ساتھ متحد و متصل ہو۔ اور دونوں زمانوں میں کچھ فاصلہ نہ ہو۔ حالانکہ حضرت کے بیان مبارک کے مطابق واقع رفع کے زمانہ اور واقع قتل کے زمانہ میں بہت فاصلہ اور ایک دور دراز مدت ہے۔ اس تقدیر میں اگر آیت قرآن شریف کی اس طرح ہوتی کہ **ما قتلوہ یقینا بل خلّصہ اللّٰہ من ایدیھم حیًّا ثُمّ رفعہ الیہ** تب البتہ یہ معنے ظاہر ہوتے۔

اَقُول ۔ یہ شبہ صرف سرسری خیال سے آپ کے دل میں پیدا ہوا ہے ورنہ اگر اصل واقعات آپ کے ملحوظ خاطر ہوتے تو یہ شبہ ہرگز پیدا نہ ہو سکتا۔ اصل بات تو یہ تھی کہ توریت کی رُو سے یہودیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ اگر نبوت کا دعویٰ کرنے والا مقتول ہو جائے تو وہ مفتری ہوتا ہے سچا نبی نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی صلیب دیا جائے تو وہ لعنتی ہوتا ہے اور اس کا خداتعالیٰ کی طرف رفع نہیں ہوتا ہے۔ اور یہودیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت یہ خیال تھا کہ وہ قتل بھی کئے گئے اور صلیب بھی دیئے گئے۔ بعض کہتے ہیں کہ پہلے قتل کر کے پھر صلیب پر لٹکائے گئے اور بعض کہتے ہیں کہ پہلے صلیب دے کر پھر ان کو قتل کیا گیا۔ پس اِن وجوہ سے یہودی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع روحانی کے منکر تھے اور اب تک منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ قتل کئے گئے اور صلیب دیئے گئے اس لئے ان کا خداتعالیٰ کی طرف ﴿۱۷۶﴾

[1] النسآء: ۱۵۸، ۱۵۹

مومنوں کی طرح رفع نہیں ہوا۔ یہودیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ کافر کا خدا تعالیٰ کی طرف رفع نہیں ہوتا مگر مومن مرنے کے بعد خدا تعالیٰ کی طرف اٹھایا جاتا ہے۔ اور ان کے زُعم میں حضرت عیسیٰ مصلوب ہو کر نعوذ باللہ کافر اور لعنتی ہو گئے۔ اس لئے وہ خدا تعالیٰ کی طرف اٹھائے نہیں گئے۔ یہ امر تھا جس کا قرآن شریف نے فیصلہ کرنا تھا۔ پس خدا تعالیٰ نے اِن آیات سے جو اوپر ذکر ہو چکی ہیں یہ فیصلہ کر دیا۔ چنانچہ آیت وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ[1] اِسی فیصلہ کو ظاہر کرتی ہے کیونکہ رفع الی اللّٰہ یہودیوں اور اسلام کے عقیدہ کے موافق اس موت کو کہتے ہیں جو ایمانداری کی حالت میں ہو اور روح خدا تعالیٰ کی طرف جاوے اور قتل اور صلیب کے اعتقاد سے یہودیوں کا منشا یہ تھا کہ مرنے کے وقت روح خدا تعالیٰ کی طرف نہیں گئی۔ پس یہودیوں کے دعوئے قتل اور صلیب کا یہی جواب تھا جو خدا نے دیا۔ اور دوسرے لفظوں میں ماحصل آیت کا یہ ہے کہ یہودی قتل اور صلیب کا عذر پیش کر کے کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی روح کا خدا تعالیٰ کی طرف مرنے کے وقت رفع نہیں ہوا۔ اور خدا تعالیٰ جواب میں کہتا ہے کہ بلکہ عیسیٰ کی روح کا خدا تعالیٰ کی طرف مرنے کے وقت رفع ہو گیا ہے۔ پس تفسیر عبارت کی یہ ہے بل رفعہ اللّٰہ الیہ عند موتہٖ۔ چونکہ رفع الی اللّٰہ موت کے وقت ہی ہوتا ہے بلکہ ایمان کی حالت
میں جو موت ہو اُس کا نام رفع الی اللہ ہے۔ پس گویا یہودی یہ کہتے تھے کہ مات عیسٰی ﴾۱۷۷﴿
کافرًا غیر مرفوع الی اللّٰہ اور خدا تعالیٰ نے یہ جواب دیا ہے بل مات مؤمنًا مرفوعًا الی اللّٰہ۔ سو بل کا لفظ اس جگہ غیر محل نہیں بلکہ عین محاورۂ زبان عرب کے مطابق ہے۔ یہودیوں کی یہ غلطی تھی کہ وہ خیال کرتے تھے کہ گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام درحقیقت مصلوب ہو گئے ہیں اس لئے وہ ایک غلطی سے دوسری غلطی میں پڑ گئے کہ موت کے وقت ان کے رفع الی اللہ سے انکار کر دیا لیکن خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ہرگز مقتول اور مصلوب نہیں ہوئے اور موت کے وقت ان کا رفع خدا تعالیٰ کی طرف ہوا ہے۔ پس اس طرزِ کلام میں کوئی اشکال نہیں اور بل کا لفظ ہرگز ہرگز اِن معنوں کی رو سے غیر محل پر نہیں بلکہ جس حالت میں باتفاق یہود و اہل اسلام رفع الی اللّٰہ کہتے ہی اس کو ہیں کہ مرنے کے بعد انسان کی روح خدا تعالیٰ

[1] النساء:۱۵۸، ۱۵۹

کی طرف جائے تو اس صورت میں اس مقام میں کسی دوسرے معنوں کی گنجائش ہی نہیں۔

اور یہ بھی یاد رہے کہ جس زمانہ کی نسبت قرآن شریف کا یہ بیان ہے کہ عیسیٰ مقتول اور مصلوب نہیں ہوا اسی زمانہ کی نسبت یہ بھی بیان ہے کہ اُس کا مرنے کے بعد خدا تعالیٰ کی طرف رفع ہوا ہے پس بل کا لفظ اس جگہ اِتصال زمانی کے لئے ہے نہ اِتصال آنی کے لئے۔ پس خلاصہ مفہوم آیت کا یہ ہے کہ اُس زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول اور مصلوب نہیں ہوئے بلکہ طبعی موت کے بعد اُن کا رفع الی اللّٰہ ہوا۔ جیسا کہ قرآن شریف میں وعدہ تھا کہ یٰعِیۡسٰۤی اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ [1] اور توفّی طبعی موت دینے کو کہتے ہیں جیسا کہ صاحب کشاف نے اس آیت کی تفسیر میں یعنی تفسیر انّی متوفّیک میں لکھا ہے انّی ممیتک حتف انفک۔ قرآن شریف کی یہ آیت یعنی یٰعِیۡسٰۤی اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ تمام جھگڑے کو فیصلہ کرتی ہے کیونکہ ہمارے مخالف یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع زندگی کی حالت میں ہوا اور خدا تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ موت کے بعد رفع ہوا۔ پس افسوس ہے اُس قوم پر کہ جو نص صریح کتاب اللہ کے مخالف دعویٰ کرتے ہیں اور قرآن شریف اور تمام پہلی کتابیں اور تمام حدیثیں بیان کر رہی ہیں کہ موت کے بعد وہی رفع ہوتا ہے جس کو رفع روحانی کہتے ہیں جو ہر ایک مومن کے لئے بعد موت ضروری ہے۔ بعض متعصب اس جگہ لاجواب ہو کر
کہتے ہیں کہ آیت کو اِس طرح پڑھنا چاہیے کہ یٰعِیۡسٰۤی اِنِّیۡ رَافِعُکَ اِلَیَّ وَمُتَوَفِّیۡکَ۔ ﴿۱۷۸﴾
گویا خدا تعالیٰ سے یہ غلطی ہوگئی کہ اس نے متوفّیک کو رافعک پر مقدم کر دیا اور یہ فرمایا کہ یا عیسیٰ انّی متوفّیک و رافعک الیّ۔ حالانکہ کہنا یہ تھا کہ یا عیسیٰ انّی رافعک الیّ و متوفّیک ہائے افسوس! تعصب کس قدر سخت بلا ہے کہ اس کی حمایت کے لئے کتاب اللہ کی تحریف کرتے ہیں۔ یہ عمل تحریف وہی پلید عمل ہے جس سے یہودی لعنتی کہلائے اور ان کی صورتیں مسخ کی گئیں۔ اب یہ لوگ قرآن شریف کی تحریف پر آمادہ ہیں۔ اور اگر یہ وعدہ نہ ہوتا کہ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ [2] تو ان لوگوں سے یہ امید تھی کہ بجائے آیت

[1] ال عمران: ۵۶ [2] الحجر: ۱۰

انّی متوفّیک و رافعک الیّ کے اس طرح قرآن شریف میں لکھ دیتے کہ یا عیسٰی اِنّی رافعک الیّ و متوفّیک مگر اس طرح کی تحریف بھی غیر ممکن تھی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے اس آیت میں چار وعدے فرمائے ہیں۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ یٰعِیۡسٰۤی اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡكَ ۔ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ ۔ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا ۔ وَجَاعِلُ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡكَ فَوۡقَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡۤا اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ ۔ یہ چار وعدے ہیں جن پر نمبر لگا دیئے گئے اور جیسا کہ احادیث صحیحہ اور خود قرآن شریف سے ثابت ہے وعدہ مطھّرک من الّذین کفروا جو وعدہ رفع کے بعد تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پورا ہو گیا کیونکہ آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دامن کو ان بے جا تہمتوں سے پاک کیا جو یہود اور نصاریٰ نے اُن پر لگائی تھیں۔ اسی طرح یہ چوتھا وعدہ یعنی وَجَاعِلُ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡكَ فَوۡقَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡۤا اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ اسلام کے غلبہ اور شوکت سے پورا ہو گیا۔ پس اگر متوفّیک کے لفظ کو متاخر کیا جائے اور لفظ رافعک الیّ مقدم کیا جائے۔ جیسا کہ ہمارے مخالف چاہتے ہیں تو اس صورت میں فقرہ رافعک الیّ فقرہ مطھّرک سے پہلے نہیں آ سکتا کیونکہ فقرہ مطھّرک کا وعدہ پورا ہو چکا ہے اور بموجب قول ہمارے مخالفوں کے متوفیک کا وعدہ ابھی پورا نہیں ہوا اور اسی طرح یہ فقرہ متوفّیک وعدہ وَجَاعِلُ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡكَ فَوۡقَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡۤا اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَةِ کے پہلے بھی نہیں آ سکتا کیونکہ وہ وعدہ بھی پورا ہو چکا ہے اور قیامت کے دن تک اس کا دامن لمبا ہے۔ پس اس صورت میں توفّی کا لفظ اگر آیت کے سر پر سے اٹھا دیا جائے تو اس کو کسی دوسرے مقام میں قیامت سے پہلے ﴿۱۷۹﴾
رکھنے کی کوئی جگہ نہیں سوا اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے بعد مریں گے اور پہلے مرنے سے یہ ترتیب مانع ہے۔ اب دیکھنا چاہیے کہ قرآن شریف کی یہ کرامت ہے کہ ہمارے مخالف یہودیوں کی طرح قرآن شریف کی تحریف پر آمادہ تو ہوئے مگر قادر نہیں ہو سکے اور کوئی جگہ نظر نہیں آتی جہاں فقرہ رَافِعُک کو اپنے مقام سے اُٹھا کر اُس جگہ رکھا جائے۔ ہر ایک جگہ کی خانہ پری ایسے طور سے ہو چکی ہے کہ دست اندازی کی گنجائش نہیں اور دراصل یہی ایک

آیت یعنی آیت یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ طالب حق کے لئے کافی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ رفع جس پر ہمارے مخالفوں نے شور مچا رکھا ہے وہ موت کے بعد ہے نہ موت سے پہلے کیونکہ خدا کی گواہی سے یہ بات ثابت ہے۔ اور خدا کی گواہی کو قبول نہ کرنا ایماندار کا کام نہیں اور جب کہ بموجب نصِ قرآن رفع موت کے بعد ہے تو اس سے ظاہر ہے کہ یہ وہی رفع ہے جس کا ہر ایک ایماندار کے لئے مرنے کے بعد خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے۔

عجیب بات ہے کہ خدا تعالیٰ نے تو فقرہ **رافعک الیّ** کو فقرہ **متوفّیک** کے بعد بیان فرمایا ہے اور یہ لوگ فقرہ **رافعک** کو مقدم کرتے ہیں اور فقرہ **متوفّیک** کو بعد میں لاتے ہیں تا کسی طرح حضرت عیسیٰ زندہ آسمان پر بٹھائے جائیں۔ پس اس صورت میں یہودی لوگ تحریف کرنے میں کیا خصوصیت رکھتے ہیں ماسوا اس کے اگر اسی طرح یہودیوں کی طرح ان لوگوں کو اپنے اختیار سے قرآن شریف کو پیش و پس کرنے کا اختیار ہے تو پھر قرآن شریف کی خیر نہیں۔ بھلا کوئی ایسی حدیث تو پیش کریں جس میں ان کو یہ اجازت دی گئی ہو کہ فقرہ **رافعک الیّ** پہلے پڑھ لیا کرو۔ اور فقرہ **متوفّیک** بعد میں۔ اور اگر قرآن اور حدیث سے ایسی اجازت ثابت نہیں ہوتی تو پھر اُس لعنت سے کیوں نہیں ڈرتے جو پہلے اُن سے یہودیوں کے حصہ میں آچکی ہے۔

قولہ ۔آپ کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ صلیب سے نجات پا کر کشمیر کی طرف چلے گئے تھے۔ پس اوّل تو اُس زمانہ میں کشمیر تک پہنچنا کچھ آسان امر نہ تھا۔ خصوصاً خفیہ طور پر اور پھر یہ اعتراض ہے کہ حواری اُن کے پاس کیوں جمع نہ ہوئے اور حضرت عیسیٰ زندہ در گور کی طرح مخفی رہے۔

﴿۱۸۰﴾ **اقول** ۔جس خدا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کشمیر کی طرف جانے کی ہدایت کی تھی وہی ان کا رہنما ہو گیا تھا۔ پس نبی کے لئے یہ کیا تعجب کی بات ہے کہ کس طرح وہ کشمیر پہنچ گیا اور اگر ایسا ہی تعجب کرنا ہے تو ایک بے دین اس بات سے بھی تعجب کر سکتا ہے کہ کیونکر ہمارے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے وقت باوجود اس کے کہ کفار عین غار ثور کے سر پر پہنچ گئے تھے پھر اُن کی آنکھوں سے پوشیدہ رہے۔ پس ایسے اعتراضات کا یہی جواب ہے کہ خدا کا خاص فضل جو خارق عادت طور پر نبیوں کے شامل حال ہوتا ہے ان کو بچاتا اور اُن کی رہنمائی کرتا ہے۔ رہی یہ بات کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کشمیر میں گئے تھے تو حواری اُن کے پاس کیوں نہ پہنچے اِس کا یہ جواب ہے کہ عدم علم سے عدم شے لازم نہیں آتا۔ آپ کو کس طرح معلوم ہوا کہ نہیں پہنچے۔ ہاں چونکہ وہ سفر پوشیدہ طور پر تھا☆ جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر ہجرت کے وقت پوشیدہ طور پر تھا۔ اس لئے وہ سفر ایک بڑے قافلہ کے ساتھ مناسب نہیں سمجھا گیا تھا جیسا کہ ظاہر ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی تو صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ساتھ تھے اور اُس وقت بھی دو سو۲۰۰ کوس کا فاصلہ کر کے مدینہ میں جانا سہل امر نہ تھا۔ اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو ساٹھ۶۰ ستر۷۰ آدمی اپنے ساتھ لے جا سکتے تھے مگر آپ نے صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنا رفیق بنایا۔ پس انبیاء کے اسرار میں دخل دینا ایک بے جا دخل ہے۔ اور یہ کس طرح معلوم ہوا کہ بعد میں بھی حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ملنے کے لئے ملک ہند میں نہیں آئے بلکہ عیسائی اس بات کے خود قائل ہیں کہ بعض حواری اُن دنوں میں ملک ہند میں

☆ انبیاء علیہم السلام کی نسبت یہ بھی ایک سنت اللہ ہے کہ وہ اپنے ملک سے ہجرت کرتے ہیں۔ جیسا کہ یہ ذکر صحیح بخاری میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی مصر سے کنعان کی طرف ہجرت کی تھی۔ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ پس ضرور تھا کہ حضرت عیسیٰ بھی اِس سنت کو ادا کرتے۔ سو انہوں نے واقعہ صلیب کے بعد کشمیر کی طرف ہجرت کی۔ انجیل میں بھی اِس ہجرت کی طرف اشارہ ہے کہ نبی بے عزت نہیں مگر اپنے وطن میں۔ اس جگہ نبی سے مراد انہوں نے اپنے وجود کو لیا ہے۔ پس اس جگہ عیسائیوں کے لئے شرم کی جگہ ہے کہ وہ ان کو نبی نہیں بلکہ خدا قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ نبی وہ ہوتا ہے جو خدا سے الہام پاتا ہے۔ پس خدا اور نبی کا الگ الگ ہونا ضروری ہے۔ منہ

ضرور آئے تھے اور دھوما حواری کا مدراس میں آنا اور اب تک مدراس میں ہر سال اُس کی یادگار میں عیسائیوں کا ایک اجتماع میلہ کی طرح ہونا یہ ایسا امر ہے کہ کسی واقف کار پر پوشیدہ نہیں۔ بلکہ ہم لوگ جس قبر کو سری نگر کشمیر میں حضرت عیسیٰ کی قبر کہتے ہیں عیسائیوں کے بڑے بڑے پادری خیال کرتے ہیں کہ وہ کسی حواری کی قبر ہے۔ حالانکہ صاحب قبر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ مَیں نبی ہوں اور شاہزادہ ہوں اور میرے پر انجیل نازل ہوئی تھی اور کشمیر کی پُرانی تاریخی کتابیں جو ہمارے ہاتھ آئیں اُن میں لکھا ہے کہ یہ ایک نبی بنی اسرائیل میں سے تھا جو شاہزادہ نبی کہلاتا تھا۔ اور اپنے ملک سے کشمیر میں ہجرت کر کے آیا تھا۔ اور ان کتابوں میں جو تاریخ آمد ﴿۱۸۱﴾
لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بات پر اب ہمارے زمانہ میں اُنیس سو[۱۹۰۰] برس گزر گئے جب یہ نبی کشمیر میں آیا تھا۔ اور ہم عیسائیوں کو اس طرح ملزم کرتے ہیں کہ جب کہ تمہیں اقرار ہے کہ صاحب اِس قبر کا جو سری نگر محلّہ خانیار میں مدفون ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حواری تھا مگر اُس کی کتاب میں لکھا ہے کہ وہ نبی تھا اور شاہزادہ تھا اور اُس پر انجیل نازل ہوئی تھی تو اِس صورت میں وہ حواری کیونکر ہو گیا۔ کیا کوئی حواری کہہ سکتا ہے کہ میں شاہزادہ ہوں اور نبی ہوں اور میرے پر انجیل نازل ہوئی ہے۔ پس کچھ شک نہیں کہ یہ قبر جو کشمیر میں ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے۔ اور جو لوگ اُن کو آسمان میں بٹھاتے ہیں اُن کو واضح رہے کہ وہ کشمیر میں یعنی سری نگر محلّہ خانیار میں سوئے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے اصحابِ کہف کو مدت تک چھپایا تھا ایسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی چھپا رکھا اور اخیر میں ہم پر حقیقت کھول دی۔ خدا تعالیٰ کے کاموں میں ایسے ہزارہا نمونے ہیں اور خدا تعالیٰ کی عادت نہیں ہے کہ کسی کو مع جسم آسمان پر بٹھاوے۔

قولہ۔ احادیث میں نازل ہونے والے عیسیٰ کو نبی اللہ کے نام سے پکارا گیا ہے۔ تو کیا قرآن اور حدیث سے ثابت ہو سکتا ہے کہ محدّث کو بھی نبی کہا گیا ہے۔

اقول۔ عربی اور عبرانی زبان میں نبی کے معنے صرف پیشگوئی کرنے والے کے ہیں۔

جو خدا تعالیٰ سے الہام پا کر پیشگوئی کرے۔ پس جب کہ قرآن شریف کی رُو سے ایسی نبوت کا دروازہ بند نہیں ہے جو بتوسط فیض و اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی انسان کو خدا تعالیٰ سے شرفِ مکالمہ اور مخاطبہ حاصل ہو اور وہ بذریعہ وحی الٰہی کے مخفی امور پر اطلاع پاوے تو پھر ایسے نبی اس اُمت میں کیوں نہیں ہوں گے۔ اِس پر کیا دلیل ہے۔ ہمارا مذہب نہیں ہے کہ ایسی نبوت پر مہر لگ گئی ہے۔ صرف اُس نبوت کا دروازہ بند ہے جو احکامِ شریعتِ جدیدہ ساتھ رکھتی ہو یا ایسا دعویٰ ہو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے الگ ہو کر دعویٰ کیا جائے لیکن ایسا شخص جو ایک طرف اُس کو خدا تعالیٰ اُس کی وحی میں اُمّتی بھی قرار دیتا ہے پھر دوسری طرف اس کا نام نبی بھی رکھتا ہے۔ یہ دعویٰ قرآن شریف کے احکام کے مخالف نہیں ہے کیونکہ یہ نبوت بباعث اُمتی ہونے کے درؔاصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ﴿۱۸۲﴾ کی نبوت کا ایک ظلّ ہے کوئی مستقل نبوت نہیں ہے۔ اور اگر آپ پورے طور پر حدیثوں پر غور کرتے تو یہ اعتراض آپ کے دل میں ہرگز پیدا نہ ہوتا۔ آپ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ نازل ہونے والے کو حدیثوں میں نبی اللہ کہا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اُسی عیسیٰ نازل ہونے والے کو حدیثوں میں اُمتی بھی تو کہا گیا ہے۔☆ کیا آپ قرآن شریف یا حدیثوں سے بتلا سکتے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم جو رسول گذرا ہے اُس کا نام کسی جگہ اُمتی بھی رکھا گیا ہے پس صاف ظاہر ہے کہ یہ عیسیٰ جو اُمتی بھی کہلاتا ہے اور نبی بھی کہلاتا ہے یہ عیسیٰ اور ہے وہ عیسیٰ نہیں ہے جو بنی اسرائیل میں گذرا ہے جو ایک مستقل نبی تھا جس پر انجیل نازل ہوئی اُس کو آپ کیونکر اُمتی بنا سکتے ہیں۔ صحیح بخاری میں جہاں آنے والے عیسیٰ کا نام اُمتی رکھا گیا ہے اس کا حلیہ بھی برخلاف پہلے عیسیٰ کے قرار دیا ہے۔ ہاں اگر آنے والے عیسیٰ کی نسبت

☆ اُمتی اس شخص کو کہتے ہیں جو بغیر پیروی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی طرح اپنے کمال کو نہیں پہنچ سکتا پس کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت یہ گمان ہو سکتا ہے کہ وہ اُس وقت تک ناقص ہی رہیں گے جب تک دوبارہ دنیا میں آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں داخل نہیں ہوں گے اور آپ کی پیروی نہیں کریں گے۔ منہ

حدیثوں میں صرف نبی کا لفظ استعمال پاتا اور اُمتی اس کا نام نہ رکھا جاتا تو دھوکا لگ سکتا تھا۔ مگر اب تو صحیح بخاری میں آنے والے عیسیٰ کی نسبت صاف لکھا ہے کہ امامکم منکم یعنی اے اُمتیو! آنے والا عیسیٰ بھی صرف ایک اُمتی ہے نہ اور کچھ۔ ایسا ہی صحیح مسلم میں بھی اُس کی نسبت یہ لفظ ہیں کہ امّکم منکم یعنی وہ عیسیٰ تمہارا امام ہوگا اور تم میں سے ہوگا یعنی ایک فرد اُمت میں سے ہوگا۔

اب جب کہ ان حدیثوں سے ثابت ہے کہ آنے والا عیسیٰ اُمتی ہے تو کلام الٰہی میں اس کا نام نبی رکھنا اُن معنوں سے نہیں ہے جو ایک مستقل نبی کے لئے مستعمل ہوتے ہیں بلکہ اس جگہ صرف یہ مقصود ہے کہ خدا تعالیٰ اس سے مکالمہ مخاطبہ کرے گا اور غیب کی باتیں اس پر ظاہر کرے گا اس لئے باوجود اُمتی ہونے کے وہ نبی بھی کہلائے گا اور اگر یہ کہا جائے کہ اس اُمت پر قیامت تک دروازہ مکالمہ مخاطبہ اور وحیِ الٰہی کا بند ہے تو پھر اس صورت میں کوئی اُمتی نبی کیونکر کہلا سکتا ہے کیونکہ نبی کے لئے ضروری ہے کہ خدا اس سے ہمکلام ہو تو اس کا یہ جواب ہے کہ اس اُمت پر یہ دروازہ ہرگز بند نہیں ہے اور اگر اس امت پر یہ دروازہ بند ہوتا تو یہ اُمت ایک مُردہ اُمت ہوتی اور خدا تعالیٰ سے دور اور مہجور ہوتی اور اگر یہ دروازہ اس اُمت پر بند ہوتا تو کیوں قرآن میں یہ دعا سکھلائی جاتی کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ[1] اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خاتم الانبیاء فرمایا گیا ہے اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ آپ کے بعد دروازہ مکالمات و مخاطبات الٰہیہ کا بند ہے۔ اگر یہ معنے ہوتے تو یہ اُمت ایک لعنتی امت ہوتی جو شیطان کی طرح ہمیشہ سے خدا تعالیٰ سے دور و مہجور ہوتی بلکہ یہ معنے ہیں کہ براہِ راست خدا تعالیٰ سے فیضِ وحی پانا بند ہے اور یہ نعمت بغیر اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کو ملنا محال اور ممتنع ہے اور یہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فخر ہے کہ اُن کی اتباع میں یہ برکت ہے کہ جب ایک شخص پورے طور پر آپ کی پیروی کرنے والا ہو تو وہ خدا تعالیٰ کے مکالمات اور مخاطبات سے مشرف ہو جائے۔ ایسا نبی ﴿۱۸۳﴾

[1] الفاتحۃ: ۶، ۷

کیا عزت اور کیا مرتبت اور کیا تاثیر اور کیا قوت قدسیہ اپنی ذات میں رکھتا ہے جس کی پیروی کے دعویٰ کرنے والے صرف اندھے اور نابینا ہوں۔ اور خدا تعالیٰ اپنے مکالمات ومخاطبات سے اُن کی آنکھیں نہ کھولے۔ یہ کس قدر لغو اور باطل عقیدہ ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وحی الٰہی کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا ہے اور آئندہ کو قیامت تک اس کی کوئی بھی امید نہیں۔ صرف قصّوں کی پوجا کرو پس کیا ایسا مذہب کچھ مذہب ہوسکتا ہے جس میں براہ راست خدا تعالیٰ کا کچھ بھی پتہ نہیں لگتا جو کچھ ہیں قصّے ہیں۔ اور کوئی اگرچہ اس کی راہ میں اپنی جان بھی فدا کرے اُس کی رضا جوئی میں فنا ہو جائے اور ہر ایک چیز پر اُس کو اختیار کرلے تب بھی وہ اس پر اپنی شناخت کا دروازہ نہیں کھولتا اور مکالمات اور مخاطبات سے اس کو مشرف نہیں کرتا۔

میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں مجھ سے زیادہ بیزار ایسے مذہب سے اور کوئی نہ ہوگا۔ میں ایسے مذہب کا نام شیطانی مذہب رکھتا ہوں نہ کہ رحمانی۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ ایسا مذہب جہنم کی طرف لے جاتا ہے اور اندھا رکھتا اور اندھا ہی مارتا اور اندھا ہی قبر میں لے جاتا ہے مگر میں ساتھ ہی خدائے کریم ورحیم کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اسلام ایسا مذہب نہیں ہے بلکہ دنیا میں **صرف اسلام ہی یہ خوبی اپنے اندر رکھتا ہے کہ وہ بشرط سچی اور کامل اتباع ہمارے سیّد ومولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکالماتِ الٰہیہ سے مشرف کرتا** ہے۔ اسی وجہ سے تو حدیث میں آیا ہے کہ علماء اُمّتی کانبیاءِ بنی اسرائیل یعنی میری ﴿۱۸۴﴾
اُمت کے علماء ربّانی بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں۔ اس حدیث میں بھی علماء ربّانی کو ایک طرف اُمتی کہا اور دوسری طرف نبیوں سے مشابہت دی ہے۔

اور خود ظاہر ہے کہ جب کہ خدا تعالیٰ قدیم سے اپنے بندوں کے ساتھ ہمکلام ہوتا آیا ہے یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں عورتوں کو بھی خدا تعالیٰ کے مکالمہ اور مخاطبہ کا شرف حاصل ہوا ہے جیسے حضرت موسیٰ کی ماں اور مریم صدیقہ کو۔ تو پھر یہ اُمت کیسی بدقسمت اور بے نصیب ہے

کہ اس کے مرد بنی اسرائیل کی عورتوں کی طرح بھی نہیں۔ کیا گمان ہو سکتا ہے کہ یہ ایک ایسا زمانہ آ گیا ہے کہ اس زمانہ میں خدا تعالیٰ سنتا تو ہے مگر بولتا نہیں۔ اگر غریب بندوں کی دعائیں سننے میں اُس کی کچھ ہتک عزت نہیں تو بولنے میں کیوں ہتک عزت ہے۔

یاد رہے کہ خدا تعالیٰ کے صفات کبھی معطل نہیں ہوتے۔ پس جیسا کہ وہ ہمیشہ سنتا رہے گا ایسا ہی وہ ہمیشہ بولتا بھی رہے گا۔ اس دلیل سے زیادہ تر صاف اور کونسی دلیل ہو سکتی ہے کہ خدا تعالیٰ کے سننے کی طرح بولنے کا سلسلہ بھی کبھی ختم نہیں ہوگا۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک گروہ ہمیشہ ایسا رہے گا جن سے خدا تعالیٰ مکالمات و مخاطبات کرتا رہے گا۔ اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ نبی کے نام پر اکثر لوگ کیوں چڑ جاتے ہیں جس حالت میں یہ ثابت ہو گیا ہے کہ آنے والا مسیح اسی اُمت میں سے ہوگا پھر اگر خدا تعالیٰ نے اس کا نام نبی رکھ دیا تو حرج کیا ہوا۔ ایسے لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ اِسی کا نام اُمتی بھی تو رکھا گیا ہے اور اُمتیوں کی تمام صفات اس میں رکھی گئی ہیں۔ پس یہ مرکب نام ایک الگ نام ہے اور کبھی حضرت عیسیٰ اسرائیلی اس نام سے موسوم نہیں ہوئے اور مجھے خدا تعالیٰ نے میری وحی میں بار بار اُمتی کر کے بھی پکارا ہے اور نبی کر کے بھی پکارا ہے۔ اور ان دونوں ناموں کے سننے سے میرے دل میں نہایت لذت پیدا ہوتی ہے۔ اور میں شکر کرتا ہوں کہ اس مرکب نام سے مجھے عزت دی گئی۔ اور اس مرکب نام کے رکھنے میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ تا عیسائیوں پر ایک سرزنش کا تازیانہ لگے کہ تم تو عیسیٰ بن مریم کو خدا بناتے ہو مگر ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس درجہ کا نبی ہے کہ اُس کی اُمت کا ایک فرد نبی ہو سکتا ہے اور عیسیٰ کہلا سکتا ہے۔ حالانکہ وہ اُمتی ہے۔

﴿۱۸۵﴾ **قولہ**۔ مہدی موعود کی صفت میں جو بعض احادیث میں مِن وُلد فاطمة واقع ہے اور بعض میں من عترتی اور بعض میں من اھل بیتی بھی واقع ہے اور یہ بھی واقع ہے کہ یواطئ اسمہ اسمی و اسم ابیہ اسم ابی۔ پس اِن میں سے ہر ایک کی کیا توجیہ ہے بیان فرماویں۔

اقول ۔میرا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ میں وہ مہدی ہوں جو مصداق **من ولد فاطمة. و من عترتی** وغیرہ ہے بلکہ میرا دعویٰ تو مسیح موعود ہونے کا ہے۔اور مسیح موعود کے لئے کسی محدث کا قول نہیں کہ وہ بنی فاطمہ وغیرہ میں سے ہوگا۔ہاں ساتھ اس کے جیسا کہ تمام محدثین کہتے ہیں مَیں بھی کہتا ہوں کہ مہدی موعود کے بارے میں جس قدر حدیثیں ہیں تمام مجروح اور مخدوش ہیں اور ایک بھی اُن میں سے صحیح نہیں۔اور جس قدر افترا ان حدیثوں میں ہوا ہے کسی اور حدیث میں ایسا افترا نہیں ہوا۔خلفاء عباسی وغیرہ کے عہد میں خلیفوں کو اس بات کا بہت شوق تھا کہ اپنے تئیں مہدی موعود قرار دیں۔پس اس وجہ سے بعض حدیثوں میں مہدی کو بنی عباس میں سے قرار دیا اور بعض میں بنی فاطمہ میں سے اور بعض حدیثوں میں یہ بھی ہے کہ **رجل من اُمّتی** کہ وہ ایک آدمی میری اُمت میں سے ہوگا مگر دراصل یہ تمام حدیثیں کسی اعتبار کے لائق نہیں یہ صرف میرا ہی قول نہیں بلکہ بڑے بڑے علماء اہل سنت یہی کہتے چلے آئے ہیں۔اور ان حدیثوں کے مقابل پر یہ حدیث بہت صحیح ہے جو ابن ماجہ نے لکھی ہے۔اور وہ یہ ہے کہ **لا مهدی الّا عیسٰی** یعنی اور کوئی مہدی نہیں صرف عیسیٰ ہی مہدی ہے جو آنے والا ہے۔

قولہ ۔پیشین گوئیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جس میں علماء نے بھی تاویل کی ہے اکثر ایسی پائی جاتی ہیں جو بطور رؤیا کے منکشف ہوئی ہیں۔الخ

اقول ۔اس اعتراض کو مَیں نہیں سمجھ سکا اس لئے جواب سے مجبوری ہے۔

قولہ ۔اہل ظاہر تو چشم باطن نہیں رکھتے اس لئے ان لوگوں کا حضرت مسیح موعود کو نہ پہچاننا کچھ تعجب نہیں مگر جو لوگ اہل اللہ واہل باطن ہیں ان لوگوں کو تو حضرت کو بذریعہ الہام وغیرہ پہچاننا ضروری ہے جیسا کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مرحوم رسالہ تذکرۃ المعاد میں امام مہدی موعود کے حال میں لکھتے ہیں کہ ابدال از شام وعصائب از عراق آمدہ باوے بیعت کنند۔ ﴿۱۸۶﴾

اقول ۔یہ تمام اقوال اُس بنا پر ہیں کہ مہدی موعود بنی فاطمہ سے یا بنی عباس سے آئے گا اور ابدال اور قطب اس کی بیعت کریں گے مگر میں ابھی لکھ چکا ہوں کہ اکابر محدثین کا یہی مذہب ہے

کہ مہدی کی حدیثیں سب مجروح اور مخدوش بلکہ اکثر موضوع ہیں اور ایک ذرّہ ان کا اعتبار نہیں بعض ائمہ نے ان حدیثوں کے ابطال کے لئے خاص کتابیں لکھی ہیں اور بڑے زور سے ان کو ردّ کیا ہے اور جب کہ یہ حال ہے کہ خود مہدی کا آنا ہی معرضِ شک اور شبہ میں ہے تو پھر ابدال کا بیعت کرنا کب ایک یقینی امر ہوسکتا ہے۔ جب اصل ہی صحیح نہیں تو فروع کب صحیح ٹھہر سکتے ہیں۔ ماسوا اس کے ابدال کے سر پر سینگ تو نہیں ہوتے۔ جو لوگ اپنے اندر پاک تبدیلی پیدا کر لیتے ہیں وہی خدا تعالیٰ کے نزدیک ابدال کہلاتے ہیں۔ اگر آپ ہی پاک تبدیلی پیدا کرلیں اور لوگوں کی لعنت ملامت سے لاپروا ہوکر حق پر فدا ہو جائیں تو پھر آپ ہی ابدال میں داخل ہیں۔

میری جماعت میں اکثر ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اس سلسلہ کے لئے بہت دکھ اٹھائے ہیں اور بہت ذلتیں اٹھائی ہیں اور جان دینے تک فرق نہیں کیا۔ کیا وہ ابدال نہیں ہیں شیخ عبدالرحمٰن۔ امیر عبدالرحمٰن کے سامنے اس سلسلہ کے لئے گلا گھونٹ کر مارا گیا۔ اور اُس نے ایک بکری کی طرح اپنے تئیں ذبح کرا لیا کیا وہ ابدال میں داخل نہ تھا؟ ایسا ہی مولوی صاحبزادہ عبداللطیف جو محدث اور فقیہ اور سر آمدِ علماء کابل تھے اس سلسلہ کے لئے سنگسار کئے گئے اور بار بار سمجھایا گیا کہ اس شخص کی بیعت چھوڑ دو پہلے سے زیادہ عزت ہوگی۔ لیکن انہوں نے مرنا قبول کیا اور بیوی اور چھوٹے چھوٹے بچوں کی بھی کچھ پروا نہ کی اور چالیس دن تک پتھروں میں اُن کی لاش پڑی رہی۔ کیا وہ ابدال میں سے نہ تھے؟ اور ابھی میں خدا تعالیٰ کے فضل سے زندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کے بڑے بڑے وعدے ہیں معلوم نہیں کس قدر اور کن کن ملکوں سے پاک دل لوگ میری جماعت میں داخل ہوں گے ماسوا اس کے مسیح موعود کی نسبت تو آثار میں یہ لکھا ہے کہ علماء اس کو قبول نہیں کریں گے کسی ابدال کی بیعت کا ذکر بھی نہیں۔ ﴿۱۸۷﴾

قولہ۔ چونکہ حضرت کی اب تک کوئی ایسی تاثیر روشن طور پر ظہور میں نہیں آئی ہے اور دو تین لاکھ آدمی کا حضرت کے سلسلہ میں داخل ہونا گویا دریا میں سے ایک قطرہ ہے۔ پس اگر تاثیر بیّن کے ظہور تک کوئی بغیر انکار کے داخل سلسلہ ہونے میں توقف اور تاخیر کرے تو یہ جائز ہوگا یا نہیں؟

اقول ۔توقف اورتاخیر بھی ایک قسم انکار کی ہے۔اوررہی یہ بات کہ اب تک بہت سے ایمان نہیں لائے۔ یہ دلیل اس بات کی نہیں ہوسکتی کہ دعویٰ ثابت نہیں۔اگرکوئی مامور دلائل اور نشان اپنے ساتھ رکھتا ہے تو کسی کے ایمان نہ لانے سے اس کا دعویٰ کمزور نہیں ہوسکتا۔ ماسوا اس کے یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک جو لوگ سچے دل سے ایمان لائے تھے وہ ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ نہ تھے۔ پس کیا ان کی کمی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت مشتبہ ہوسکتی ہے؟

اصل بات یہ ہے کہ نبیٔ برحق کی حقانیت کے لئے ایمان لانے والوں کی کثرت شرط نہیں ہے۔ہاں دلائل قاطعہ سے اتمام حجت شرط ہے۔پس اس جگہ منہاج نبوت کی رو سے اتمام حجت ہوچکا ہے۔چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق دومرتبہ ملک میں کسوف خسوف ہوگیا جو مسیح موعود کے ظہور کی نشانی تھی۔اسی طرح ایک نئی سواری جس کی طرف قرآن شریف اور حدیثوں میں اشارہ تھا وہ بھی ظہور میں آ گئی یعنی سواری ریل جو اونٹوں کے قائم مقام ہوگئی جیسا کہ قرآن شریف میں ہے۔ وَ اِذَا الۡعِشَارُ عُطِّلَتۡ [1] یعنی وہ آخری زمانہ جب اونٹنیاں بےکار کی جائیں گی۔اورجیسا کہ حدیث مسلم میں مسیح موعود کے ظہور کے علامات میں سے ہے **ولیترکن القلاص فلا یُسعٰی علیھا**۔یعنی تب اونٹنیاں بےکار ہوجائیں گی اوراُن پرکوئی سوار نہ ہوگا سو ظاہر ہے کہ وہ زمانہ آ گیا۔اور یہ بھی لکھا گیا تھا کہ اُس زمانہ میں زلزلے آئیں گے۔سووہ زلزے بھی لوگوں نے دیکھ لئے اور جو باقی ہیں وہ بھی دیکھ لیں گے۔اورلکھا گیا تھا کہ آدم علیہ السلام سے ہزار ششم کے اخیر پر وہ مسیح موعود پیدا ہوگا۔سواسی وقت میں میری پیدائش ہوئی ہے۔ایسا ہی قرآن شریف نے اس طرف اشارہ کیا تھا کہ وہ مسیح موعود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح چودھویں صدی میں ظاہر ہوگا☆ سو میرا ظہور چودھویں صدی میں ہوا۔یعنی جیسا کہ حضرت ﴿۱۸۸﴾

☆ اگرچہ عیسائیوں نے غلطی سے یہ لکھا ہے کہ یسوع مسیح حضرت موسیٰ کے بعد پندرھویں صدی میں ظاہر

[1] التکویر:۵

عیسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰؑ سے چودھویں صدی میں پیدا ہوئے تھے۔ مَیں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے چودھویں صدی میں ظاہر ہوا ہوں اور اس آخری زمانہ کی نسبت خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ خبریں بھی دی تھیں کہ کتابیں اور رسالے بہت سے دنیا میں شائع ہو جائیں گے اور قوموں کی باہمی ملاقات کے لئے راہیں کھل جائیں گی۔ اور دریاؤں میں سے بکثرت نہریں نکلیں گی۔ اور بہت سی نئی کانیں پیدا ہو جائیں گی۔ اور لوگوں میں مذہبی امور میں بہت سے تنازعات پیدا ہوں گے۔ اور ایک قوم دوسری قوم پر حملہ کرے گی۔ اور اسی اثناء میں آسمان سے ایک صور پھونکی جائے گی۔ یعنی خدا تعالیٰ مسیح موعود کو بھیج کر اشاعت دین کے لئے ایک تجلّی فرمائے گا۔ تب دین اسلام کی طرف ہر ایک ملک میں سعید الفطرت لوگوں کو ایک رغبت پیدا ہو جائے گی۔ اور جس حد تک خدا تعالیٰ کا ارادہ ہے تمام زمین کے سعید لوگوں کو اسلام پر جمع کرے گا۔ تب آخر ہوگا۔ سو یہ تمام باتیں ظہور میں آ گئیں۔ ایسا ہی احادیثِ صحیحہ میں آیا تھا کہ وہ مسیح موعود صدی کے سر پر آئے گا۔ اور وہ چودھویں صدی کا مجدد ہوگا۔ سو یہ تمام علامات بھی اس زمانہ میں پوری ہوگئیں۔ اور لکھا تھا کہ وہ اپنی پیدائش کی رو سے دو صدیوں میں اشتراک رکھے گا۔ اور دو نام پائے گا۔ اور اُس کی

بقیہ حاشیہ

ہوا تھا مگر یہ انہوں نے غلطی کی ہے۔ یہودیوں کی تاریخ سے بالاتفاق ثابت ہے کہ یسوع یعنی حضرت عیسیٰ موسیٰ کے بعد چودھویں صدی میں ظاہر ہوا تھا اور وہی قول صحیح ہے اگرچہ مشابہت کے ثابت کرنے کے لئے پوری مطابقت ضروری نہیں ہوا کرتی جیسا کہ اگر کسی آدمی کو کہیں کہ یہ شیر ہے تو یہ ضروری نہیں کہ شیر کی طرح اس کے پنجے اور کھال ہو اور دُم بھی ہو اور آواز بھی شیر کی رکھتا ہو بلکہ ایک شخص کو دوسرے کا مثیل ٹھہرانے میں ایک حد تک مشابہت کافی ہوتی ہے۔ پس اگر عیسائیوں کا قول قبول کرلیں کہ حضرت عیسیٰ حضرت موسیٰ سے پندرھویں صدی میں ہوئے تھے تاہم مضائقہ نہیں کیونکہ چودھویں اور پندرھویں صدی باہم ملحق ہیں اور اس قدر فرق زمانہ کا مشابہت میں کچھ حرج نہیں ڈالتا مگر ہم اس جگہ یہودیوں کے قول کو ترجیح دیتے ہیں جو کہتے ہیں کہ یسوع یعنی حضرت عیسیٰ حضرت موسیٰ کے بعد عین چودھویں صدی میں مدعیٔ نبوت ہوا تھا کیونکہ ان کے ہاتھ میں جو عبرانی توریت ہے وہ بہ نسبت عیسائیوں کے تراجم کے صحیح ہے۔ منہ

پیدائش دو خاندن سے اشتراک رکھے گی۔ اور چوتھی دو گونہ صفت یہ کہ پیدائش میں بھی جوڑے کے طور پر پیدا ہوگا۔ سو یہ سب نشانیاں ظاہر ہو گئیں کیونکہ دو صدیوں سے اشتراک رکھنا یعنی ذوالقرنین ہونا میری نسبت ایسا ثابت ہے کہ کسی قوم کی مقرر کردہ صدی ایسی نہیں ہے جس میں میری پیدائش اس قوم کی دو صدیوں پر مشتمل نہیں۔ اِسی طرح خدا تعالیٰ کی طرف سے دو نام میں نے پائے۔ ایک میرا نام اُمتی رکھا گیا جیسا کہ میرے نام **غلام احمدؐ** سے ظاہر ہے۔ دوسرے میرا نام ظلی طور پر نبی رکھا گیا جیسا کہ خدا تعالیٰ نے حصص سابقہ براہین احمدیہ میں میرا نام احمد رکھا۔ اور اسی نام سے بار بار مجھ کو پکارا اور یہ اسی بات کی طرف اشارہ تھا کہ میں ظلی طور پر نبی ہوں☆۔ پس میں اُمتی بھی ہوں اور ظلی طور پر نبی بھی ہوں۔ اِسی کی طرف وہ وحی الٰہی بھی اشارہ کرتی ہے جو حصص سابقہ براہین احمدیہ میں ہے۔ **کُلّ برکةٍ من محمدٍ صلی اللّٰہ علیہ و سلم فتبارک من علّم و تعلّم** ۔ یعنی ہر ایک برکت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے۔ پس بہت برکت والا وہ انسان ہے جس نے تعلیم کی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور پھر بعد اس کے بہت برکت والا وہ ہے جس نے تعلیم پائی یعنی یہ عاجز۔ پس اتباع کامل کی وجہ سے میرا نام اُمتی ہوا۔ اور پورا عکس نبوت حاصل کرنے سے میرا نام نبی ہو گیا۔ پس اس طرح پر مجھے دو نام حاصل ہوئے۔ جو لوگ بار بار اعتراض کرتے ہیں کہ صحیح مسلم میں آنے والے عیسیٰ کا نام نبی رکھا گیا ہے اُن پر لازم ہے کہ یہ ہمارا بیان توجہ سے پڑھیں کیونکہ جس مسلم میں آنے والے عیسیٰ کا نام نبی رکھا گیا ہے اُسی مسلم میں آنے والے عیسیٰ کا نام اُمتی بھی رکھا گیا ہے۔ اور ﴿۱۸۹﴾

☆ کوئی شخص اس جگہ نبی ہونے کے لفظ سے دھوکا نہ کھاوے۔ میں بار بار لکھ چکا ہوں کہ یہ وہ نبوت نہیں ہے جو ایک مستقل نبوت کہلاتی ہے کوئی مستقل نبی اُمتی نہیں کہلا سکتا مگر میں اُمتی ہوں۔ پس یہ صرف خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک اعزازی نام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہوا تا حضرت عیسیٰ سے تکمیل مشابہت ہو۔ منہ

نہ صرف حدیثوں میں بلکہ قرآن شریف سے بھی یہی مستنبط ہوتا ہے کیونکہ سورۂ تحریم میں صریح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ بعض افراد اس امت کا نام مریم رکھا گیا ہے اور پھر پوری اتباع شریعت کی وجہ سے اس مریم میں خدا تعالیٰ کی طرف سے روح پھونکی گئی اور روح پھونکنے کے بعد اس مریم سے عیسیٰ پیدا ہو گیا۔ اور اِسی بنا پر خدا تعالیٰ نے میرا نام عیسیٰ بن مریم رکھا کیونکہ ایک زمانہ میرے پر صرف مریمی حالت کا گذرا۔ اور پھر جب وہ مریمی حالت خدا تعالیٰ کو پسند آ گئی تو پھر مجھ میں اُس کی طرف سے ایک روح پھونکی گئی۔ اس روح پھونکنے کے بعد میں مریمی حالت سے ترقی کر کے عیسیٰ بن گیا۔ جیسا کہ میری کتاب براہین احمدیہ حصص سابقہ میں مفصل اس بات کا تذکرہ موجود ہے۔ کیونکہ براہین احمدیہ حصص سابقہ میں اول میرا نام مریم رکھا گیا۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ یا مریم اسکن انت و زوجک الجنّة ۔ یعنی اے مریم! تو اور وہ جو تیرا رفیق ہے دونوں بہشت میں داخل ہو جاؤ۔ اور پھر اسی براہین احمدیہ میں مجھے مریم کا خطاب دے کر فرمایا ہے۔ نَفختُ فیک من روح الصدق یعنی اے مریم! میں نے تجھ میں صدق کی روح پھونک دی۔ پس استعارہ کے رنگ میں روح کا پھونکنا اُس حمل سے مشابہ تھا جو مریم صدیقہ کو ہوا تھا۔ اور پھر اس حمل کے بعد آخر کتاب میں میرا نام عیسیٰ رکھ دیا۔ جیسا کہ فرمایا کہ یا عیسٰی انّی متوفّیک و رافعک الیّ ۔ یعنی اے عیسیٰ میں تجھے وفات دوں گا اور مومنوں کی طرح میں تجھے اپنی طرف اٹھاؤں گا۔ اور اس طرح پر میں خدا کی کتاب میں عیسیٰ بن مریم کہلایا۔ چونکہ مریم ایک اُمتی فرد ہے اور عیسیٰ ایک نبی ہے۔ پس میرا نام مریم اور عیسیٰ رکھنے سے یہ ظاہر کیا گیا کہ میں اُمتی بھی ہوں اور نبی بھی مگر وہ نبی جو اتباع کی برکت سے ظلی طور پر خدا تعالیٰ کے نزدیک نبی ہے اور میرا عیسیٰ بن مریم ہونا وہی امر ہے جس پر نادان اعتراض کرتے ہیں کہ حدیثوں میں تو آنے والے عیسیٰ کا نام عیسیٰ بن مریم رکھا گیا ہے مگر یہ شخص تو ابن مریم نہیں ہے۔ اور اس کی والدہ کا نام مریم نہ تھا اور نہیں جانتے کہ جیسا کہ سورۂ تحریم میں وعدہ تھا میرا نام پہلے مریم رکھا گیا اور پھر خدا کے فضل نے مجھ میں نفخ روح کیا یعنی اپنی ایک خاص تجلّی سے اُس مریمی حالت سے ایک دوسری حالت پیدا کی اور اس کا نام عیسیٰ رکھا۔ اور چونکہ وہ حالت ﴿۱۹۰﴾

مریمی حالت سے پیدا ہوئی اس لئے خدا نے مجھے عیسیٰ بن مریم کے نام سے پکارا۔ پس اس طرح پر میں عیسیٰ بن مریم بن گیا۔ غرض اس جگہ مریم سے مراد وہ مریم نہیں ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں تھی بلکہ خدا نے ایک روحانی مشابہت کے لحاظ سے جو مریم اُمّ عیسیٰ کے ساتھ مجھے حاصل تھی میرا نام براہین احمدیہ حصص سابقہ میں مریم رکھ دیا۔ پھر ایک دوسری تجلّی میرے پر فرما کر اُس کو نفخ روح سے مشابہت دی۔ اور پھر جب وہ روح معرض ظہور اور بروز میں آئی تو اس رُوح کے لحاظ سے میرا نام عیسیٰ رکھا۔ پس اسی لحاظ سے مجھے عیسیٰ بن مریم کے نام سے موسوم کیا گیا۔

اس جگہ اس نکتہ کو بھی سمجھ لینا چاہیے کہ قرآن شریف میں یہ آیت یعنی یٰعِیۡسٰۤی اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ [1] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں تھی مگر براہین احمدیہ حصص سابقہ میں یہ آیت میرے حق میں نازل کی گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ حضرت عیسیٰ پر کفر کا فتویٰ لگا کر ان کی نسبت یہود کا یہی عقیدہ تھا کہ ان کی روح خدا کی طرف نہیں اٹھائی گئی۔ یہی عقیدہ مخالفین قوم کا میرے حق میں ہے یعنی وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص کافر ہے اِس کی روح خدا تعالیٰ کی طرف نہیں اٹھائی جائے گی۔ اُن کے رد کے لئے خدا تعالیٰ مجھے فرماتا ہے کہ بعد موت مَیں تیری روح اپنی طرف اٹھاؤں گا اور یہ جو فرمایا اِنّی متوفیک اِس میں ایک اور پیشگوئی مخفی ہے اور وہ یہ ہے کہ توفّی زبان عرب میں اِس قسم کی موت دینے کو کہتے ہیں جو طبعی موت ہو بذریعہ قتل یا صلیب نہ ہو۔ جیسا کہ علامہ زمخشری نے اپنی تفسیر کشاف میں زیر آیت **یا عیسٰی انّی متوفّیک** یہ تفسیر لکھی ہے **انّی ممیتک حتف انفک** ۔ یعنی میں تجھے طبعی موت کے ساتھ ماروں گا۔ پس چونکہ خدا تعالیٰ جانتا تھا کہ میرے قتل اور صلیب کے لئے بھی وہ ﴿۱۹۱﴾ کوشش کی جائے گی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے کی گئی۔ اس لئے اُس نے بطور پیشگوئی مجھے بھی مخاطب کر کے یہی فرمایا کہ **یا عیسٰی انّی متوفیک** اس میں یہی اشارہ تھا کہ میں قتل اور صلیب سے بچاؤں گا اور ظاہر ہے کہ میرے قتل اور صلیب کے لئے بہت کوششیں ہوئیں جیسا کہ میرے قتل کے لئے علماء قوم نے فتوے دیئے اور ایک جھوٹا مقدمہ پھانسی دلانے کے لئے میرے پر بنایا گیا جس میں مستغیث پادری ڈاکٹر **مارٹن کلارک** تھا

[1] ال عمران:۵۶

اور منجملہ گواہوں کے مولوی ابوسعید **محمد حسین صاحب بٹالوی** تھے۔اور الزام یہ تھا کہ اس شخص نے عبدالمجید☆ نام ایک شخص کو ڈاکٹر مارٹن کلارک کے قتل کے لئے بھیجا تھا۔ چنانچہ شہادتیں برخلاف میرے پورے طور پر گذر گئیں مگر خدا نے مجھے مقدمہ سے پہلے ہی اطلاع دی تھی کہ ایسا مقدمہ ہوگا۔ اور میں تجھے بچاؤں گا اور وہ وحی الٰہی قریباً ساٹھ یا ستّر یا اسّی آدمی کو قبل از مقدمہ سنائی گئی تھی۔ چنانچہ خدا نے مجھے اپنی پاک وحی کے مطابق اس جھوٹے الزام سے عزت کے ساتھ نجات دی۔ پس وہ تمام کوشش میرے پھانسی دلانے کے لئے تھی جیسا کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے کی تھی۔

اور عجیب بات یہ ہے کہ جیسا پیلاطوس رومی نے (جو اُس نواح کا گورنر تھا جہاں حضرت مسیح تھے) یہودیوں کو کہا تھا کہ میں اس شخص یعنی عیسیٰ کا کوئی گناہ نہیں دیکھتا جس کی وجہ سے اس کو صلیب دوں۔ ایسا ہی اس حاکم نے جس کی عدالت میں میرے پر مقدمہ قتل دائر تھا جس کا نام ڈگلس تھا اور ہمارے ضلع کا ڈپٹی کمشنر تھا مجھے مخاطب کر کے کہا کہ میں آپ پر کوئی الزام قتل کا نہیں لگاتا۔ اور عجیب تر یہ ہے کہ جس طرح حضرت عیسیٰ کے ساتھ ایک چور بھی صلیب دیا گیا تھا۔ جس دن میری نسبت یہ خون کا مقدمہ فیصل ہوا۔ اُسی دن اُسی عدالت میں ایک مکتی فوج کا عیسائی چور بھی پیش ہوا۔ جس نے کچھ روپیہ چُرایا تھا۔ غرض میری نسبت خدا تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ یہ ایک پیشگوئی تھی جس میں یہ اشارہ کیا گیا تھا کہ حضرت عیسیٰ کی طرح میرے قتل کے لئے بھی کچھ منصوبے بنائے جائیں گے۔ اور ان منصوبوں میں دشمن نامراد رہیں گے۔

﴿۱۹۲﴾ تیسرا امر جو مجھے دوؔ پر مشتمل کرتا ہے میری قومی حالت ہے اور جیسا کہ ظاہر طور پر سنا گیا ہے میں باپ کے لحاظ سے قوم کا مغل ہوں مگر بعض دادیاں میری سادات میں سے تھیں۔

☆ سہو کتابت معلوم ہوتا ہے'' عبدالحمید ''ہونا چاہیے۔(ناشر)

لیکن خدا تعالیٰ مجھے باپ کے لحاظ سے فارسی النسل قرار دیتا ہے اور ماں کے لحاظ سے مجھے فاطمی ٹھہراتا ہے اور وہی حق ہے جو وہ کہتا ہے۔ اور چوتھا امر جو مجھے دو پر مشتمل کرتا ہے وہ یہ ہے کہ میں جوڑا پیدا ہوا تھا۔ ایک میرے ساتھ لڑکی تھی جو مجھ سے پہلے پیدا ہوئی تھی۔

پھر ہم اپنے پہلے مقصد کی طرف رجوع کر کے کہتے ہیں کہ یہ بالکل غلط اور دھوکا کھانا ہے کہ حدیثوں میں مسیح موعود کے بارے میں نبی کا نام دیکھ کر یہ سمجھا جائے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی ہیں کیونکہ انہیں حدیثوں میں اگرچہ آنے والے عیسیٰ کا نام نبی رکھا گیا ہے مگر اُس کے ساتھ ایک ایسی شرط لگا دی گئی ہے کہ اس شرط کے لحاظ سے ممکن ہی نہیں کہ اس نبی سے مراد حضرت عیسیٰ اسرائیلی ہوں کیونکہ باوجود نبی نام رکھنے کے اس عیسیٰ کو انہیں حدیثوں میں اُمتی بھی قرار دیا ہے اور جو شخص اُمتی کی حقیقت پر نظر غور ڈالے گا وہ بداہت سمجھ لے گا کہ حضرت عیسیٰ کو اُمتی قرار دینا ایک کفر ہے کیونکہ اُمتی اُس کو کہتے ہیں کہ جو بغیر اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بغیر اتباع قرآن شریف محض ناقص اور گمراہ اور بے دین ہو اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور قرآن شریف کی پیروی سے اُس کو ایمان اور کمال نصیب ہو۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا خیال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت کرنا کفر ہے کیونکہ گو وہ اپنے درجہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسے ہی کم ہوں مگر نہیں کہہ سکتے کہ جب تک وہ دوبارہ دنیا میں آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں داخل نہ ہوں تب تک نعوذ باللہ وہ گمراہ اور بے دین ہیں یا وہ ناقص ہیں اور ان کی معرفت ناتمام ہے۔ پس میں اپنے مخالفوں کو یقیناً کہتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ اُمتی ہرگز نہیں ہیں گو وہ بلکہ تمام انبیاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر ایمان رکھتے تھے مگر وہ ان ہدایتوں کے پیرو تھے جو اُن پر نازل ہوئی تھیں اور براہ راست خدا نے اُن پر تجلّی فرمائی تھی۔ یہ ہرگز نہیں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی تعلیم سے وہ نبی بنے تھے تا وہ اُمتی کہلاتے۔ اُن کو خدا تعالیٰ نے الگ کتابیں دی تھیں اور ان کو ہدایت تھی کہ اُن کتابوں پر ﴿۱۹۳﴾
عمل کریں اور کراویں جیسا کہ قرآن شریف اِس پر گواہ ہے۔ پس اس بدیہی شہادت کی رو سے

حضرت عیسیٰ مسیح موعود کیونکر ٹھہر سکتے ہیں پس چونکہ وہ اُمتی نہیں اس لئے وہ اُس قسم کے نبی بھی نہیں ہو سکتے جس کا اُمتی ہونا ضروری ہے۔ ایسا ہی خدا تعالیٰ نے میرے لئے صدہا نشان دکھائے۔ جن میں سے کچھ اس حصہ براہین احمدیہ میں بھی درج ہیں۔

قولہ۔ حضرت کی عمر شریف اس وقت کس قدر ہے؟ اور حضرت جو بشارت دیتے ہیں کہ حضرت کے ذریعہ سے اسلام نہایت ترقی کرے گا کیا وہ ترقی حضرت کی حین حیات میں وقوع میں آئے گی یا کیا؟ اس کی تشریح کا امیدوار ہوں۔

اقول۔ عمر کا اصل اندازہ تو خدا تعالیٰ کو معلوم ہے مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے اب اس وقت تک جو سن ہجری ۱۳۲۳ھ ہے میری عمر ستّر برس کے قریب ہے **واللّٰہ اعلم**۔ اور مَیں نہیں کہہ سکتا کہ پورے طور پر ترقی اسلام کی میری زندگی میں ہوگی یا میرے بعد میں۔ ہاں میں خیال کرتا ہوں کہ پوری ترقی دین کی کسی نبی کی حین حیات میں نہیں ہوئی بلکہ انبیاء کا یہ کام تھا کہ انہوں نے ترقی کا کسی قدر نمونہ دکھلا دیا اور پھر بعد اُن کے ترقیاں ظہور میں آئیں جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے لئے اور ہر ایک اسود اور احمر کے لئے مبعوث ہوئے تھے مگر آپ کی حیات میں احمر یعنی یورپ کی قوم کو تو اسلام سے کچھ بھی حصہ نہ ملا ایک بھی مسلمان نہیں ہوا اور جو اسود تھے اُن میں سے صرف جزیرۂ عرب میں اسلام پھیلا اور مکہ کی فتح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ سو میں خیال کرتا ہوں کہ میری نسبت بھی ایسا ہی ہو گا۔ مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے بار بار یہ وحی قرآنی ہو چکی ہے وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ[1] اس سے مجھے یہی امید ہے کہ کوئی حصہ کامیابی کا میری زندگی میں ظہور میں آئے گا۔

قولہ۔ احادیث میں کسی جاندار کی تصویر کھینچنے میں سخت وعید آئی ہے مگر حضور کی عکسی تصویریں جو شائع کی گئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اس کو جائز رکھتے ہیں۔

اقول۔ میں اس بات کا سخت مخالف ہوں کہ کوئی میری تصویر کھینچے اور اس کو بت پرستوں کی طرح اپنے پاس رکھے یا شائع کرے۔ میں نے ہرگز ایسا حکم نہیں دیا کہ کوئی ایسا کرے اور مجھ سے زیادہ ﴿۱۹۴﴾

[1] یونس: ۴۷

بُت پرستی اور تصویر پرستی کا کوئی دشمن نہیں ہوگا لیکن میں نے دیکھا ہے کہ آج کل یورپ کے لوگ جس شخص کی تالیف کو دیکھنا چاہیں اوّل خواہشمند ہوتے ہیں جو اُس کی تصویر دیکھیں کیونکہ یورپ کے ملک میں فراست کے علم کو بہت ترقی ہے۔ اور اکثر اُن کی محض تصویر کو دیکھ کر شناخت کر سکتے ہیں کہ ایسا مدعی صادق ہے یا کاذب۔ اور وہ لوگ بباعث ہزار ہا کوس کے فاصلہ کے مجھ تک پہنچ نہیں سکتے اور نہ میرا چہرہ دیکھ سکتے ہیں لہٰذا اُس ملک کے اہلِ فراست بذریعہ تصویر میرے اندرونی حالات میں غور کرتے ہیں۔ کئی ایسے لوگ ہیں جو انہوں نے یورپ یا امریکہ سے میری طرف چٹھیاں لکھی ہیں اور اپنی چٹھیوں میں تحریر کیا ہے کہ ہم نے آپ کی تصویر کو غور سے دیکھا اور علمِ فراست کے ذریعہ سے ہمیں ماننا پڑا کہ جس کی یہ تصویر ہے وہ کاذب نہیں ہے۔ اور ایک امریکہ کی عورت نے میری تصویر کو دیکھ کر کہا کہ یہ یسوع یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر ہے۔ پس اس غرض سے اور اس حد تک مَیں نے اس طریق کے جاری ہونے میں مصلحتاً خاموشی اختیار کی۔ **و انّما الاعمال بالنیات**۔ اور میرا مذہب یہ نہیں ہے کہ تصویر کی حرمت قطعی ہے۔ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ فرقہ جِنّ حضرت سلیمان کے لئے تصویریں بناتے تھے اور بنی اسرائیل کے پاس مدّت تک انبیاء کی تصویریں رہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تصویر تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ کی تصویر ایک پارچہ ریشمی پر جبرائیل علیہ السلام نے دکھلائی تھی۔ اور پانی میں بعض پتھروں پر جانوروں کی تصویریں قدرتی طور پر چھپ جاتی ہیں۔ اور یہ آلہ جس کے ذریعہ سے اب تصویر لی جاتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ایجاد نہیں ہوا تھا اور یہ نہایت ضروری آلہ ہے جس کے ذریعہ سے بعض امراض کی تشخیص ہو سکتی ہے ایک اور آلہ تصویر کا نکلا ہے جس کے ذریعہ سے انسان کی تمام ہڈیوں کی تصویر کھینچی جاتی ہے اور وَجعُ المَفَاصِل و نَقرس وغیرہ امراض کی تشخیص کے لئے اس آلہ کے ذریعہ سے تصویر کھینچتے ہیں اور مرض کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ ایسا ہی فوٹو کے ذریعہ سے بہت سے علمی فوائد ظہور میں آئے ہیں۔ چنانچہ بعض انگریزوں نے فوٹو کے ذریعہ سے دنیا کے کل جانداروں یہاں تک کہ طرح طرح کی ٹڈیوں کی تصویریں اور ہر ایک قسم کے پرند اور چرند کی تصویریں اپنی کتابوں میں چھاپ دی ہیں۔ ﴿۱۹۵﴾

جس سے علمی ترقی ہوئی ہے۔ پس کیا گمان ہوسکتا ہے کہ وہ خدا جو علم کی ترغیب دیتا ہے وہ ایسے آلہ کا استعمال کرنا حرام قرار دے جس کے ذریعہ سے بڑے بڑے مشکل امراض کی تشخیص ہوتی ہے اور اہل فراست کے لئے ہدایت پانے کا ایک ذریعہ ہو جاتا ہے۔ یہ تمام جہالتیں ہیں جو پھیل گئی ہیں۔ ہمارے ملک کے مولوی چہرہ شاہی سکہ کے روپیہ اور دونیاں اور چونیاں اور اٹھنیاں اپنی جیبوں اور گھروں میں سے کیوں باہر نہیں پھینکتے۔ کیا اُن سکوں پر تصویریں نہیں۔ افسوس کہ یہ لوگ ناحق خلاف معقول باتیں کر کے مخالفوں کو اسلام پر ہنسی کا موقع دیتے ہیں۔ اسلام نے تمام لغو کام اور ایسے کام جو شرک کے مؤید ہیں حرام کئے ہیں نہ ایسے کام جو انسانی علم کو ترقی دیتے اور امراض کی شناخت کا ذریعہ ٹھہرتے اور اہل فراست کو ہدایت سے قریب کر دیتے ہیں۔ لیکن بااین ہمہ میں ہرگز پسند نہیں کرتا کہ میری جماعت کے لوگ بغیر ایسی ضرورت کے جو کہ مضطر کرتی ہے وہ میرے فوٹو کو عام طور پر شائع کرنا اپنا کسب اور پیشہ بنا لیں۔ کیونکہ اِسی طرح رفتہ رفتہ بدعات پیدا ہو جاتی ہیں اور شرک تک پہنچتی ہیں۔ اس لئے مَیں اپنی جماعت کو اس جگہ بھی نصیحت کرتا ہوں کہ جہاں تک اُن کے لئے ممکن ہو ایسے کاموں سے دستکش رہیں۔ بعض صاحبوں کے میں نے کارڈ دیکھے ہیں اور ان کی پشت کے کنارہ پر اپنی تصویر دیکھی ہے۔ میں ایسی اشاعت کا سخت مخالف ہوں اور میں نہیں چاہتا کہ کوئی شخص ہماری جماعت میں سے ایسے کام کا مرتکب ہو۔ ایک صحیح اور مفید غرض کے لئے کام کرنا اور امر ہے اور ہندوؤں کی طرح جو اپنے بزرگوں کی تصویریں جا بجا در و دیوار پر نصب کرتے ہیں یہ اور بات ہے۔ ہمیشہ دیکھا گیا ہے کہ ایسے لغو کام منجر بشرک ہو جاتے ہیں اور بڑی بڑی خرابیاں ان سے پیدا ہوتی ہیں جیسا کہ ہندوؤں اور نصاریٰ میں پیدا ہو گئیں اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ جو شخص میرے نصائح کو عظمت اور عزت کی نظر سے دیکھتا ہے اور میرا سچا پیرو ہے وہ اِس حکم کے بعد ایسے کاموں سے دستکش رہے گا ورنہ وہ میری ہدایتوں کے برخلاف اپنے تئیں چلاتا ہے اور شریعت کی راہ میں گستاخی سے قدم رکھتا ہے۔

بعض ایسے لوگوں نے جن کو نہ دین کی کچھ خبر ہے اور نہ میرے حالات سے کچھ اطلاع۔ محض ﴿۱۹۶﴾

بخل اور ناسمجھی کی راہ سے ایسے اعتراض بھی میری نسبت شائع کئے ہیں۔جن سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو بس یہی کہ وہ لوگ جس قدر اپنی دنیا کے فراہم کرنے کے لئے اور دنیوی منصب اور عہدے پانے کے لئے کوشش کرتے ہیں اُس کا ہزارم حصہ بھی دین کی طرف اُن کو توجہ نہیں اُن کے اعتراضات سن کر نہایت درجہ کی حیرت پیدا ہوتی ہے کہ یہ لوگ مسلمان کہلا کر اسلام سے بالکل بے خبر ہیں۔

بھلا غور کرنا چاہیے کہ یہ اعتراضات اُن کے کس قسم کے ہیں۔مثلاً وہ کہتے ہیں کہ یہ ایک منصوبہ ہے جو روپیہ جمع کرنے کے لئے بنایا گیا ہے اور اس کے معاون تنخواہیں پاتے ہیں۔ اب وہ شخص جو دل میں کچھ خدا تعالیٰ کا خوف رکھتا ہے سوچ لے کہ کیا یہ وہی بدظنی نہیں جو قدیم سے دلوں کے اندھے انبیاء علیہم السلام پر کرتے آئے ہیں۔فرعون نے حضرت موسیٰ پر بھی بدظنی کی اور اپنے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ اس شخص کا اصل مطلب یہ ہے کہ تم لوگوں کو زمین سے بے دخل کر کے خود قابض ہو جائے ایسا ہی یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کی نسبت یہی رائے قائم کی کہ یہ شخص مکار ہے اور نبوت کے بہانہ سے ہم لوگوں پر حکومت کرنا چاہتا ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کفارِ قریش نے بھی یہی بدظنی کی جیسا کہ قرآن شریف میں اُن کا مقولہ یہ لکھا ہے اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ[1] یعنی اس دعوے میں تو کوئی نفسانی مطلب ہے۔سو ایسے اعتراض کرنے والوں پر ہم کیا افسوس کریں۔وہ پہلے منکرین کی عادت دکھلا رہے ہیں۔طالب حق کی یہ عادت ہونی چاہیے کہ وہ دعویٰ کو غور سے دیکھے اور دلائل پر دلی انصاف سے نظر ڈالے اور وہ بات منہ پر لاوے جو عقل اور خدا ترسی اور انصاف کا مقتضا ہے نہ یہ کہ قبل از تحقیق یہ کہنا شروع کر دے کہ یہ سب کچھ مال کمانے کے لئے ایک مکر بنایا گیا ہے۔

پھر ایک یہ بھی اُن کا اعتراض ہے کہ پیشگوئیاں پوری نہیں ہوئیں۔اس اعتراض کے جواب میں تو صرف اس قدر لکھنا کافی ہے کہ **لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین**۔اگر وہ میری کتابوں کو غور ﴿۱۹۷﴾ سے دیکھتے یا میری جماعت کے اہل علم اور واقفیت سے دریافت کرتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ کئی ہزار پیشگوئی اب تک پوری ہو چکی ہے اور ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے کے صرف ایک دو گواہ

[1] صٓ:۷

نہیں بلکہ ہزار ہا انسان گواہ ہیں۔ ناحق کی تکذیب سے کیا فائدہ۔ کیا ایسی باتوں سے حضرت عیسیٰ کا دوبارہ آنا قریب قیاس ہو جائے گا؟ حضرت عیسیٰ کے دوبارہ آنے سے تو ہاتھ دھو بیٹھنا چاہیے ہر ایک مخالف یقین رکھے کہ اپنے وقت پر وہ جان کندن کی حالت تک پہنچے گا اور مرے گا مگر حضرت عیسیٰ کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گا۔ یہ بھی میری ایک پیشگوئی ہے جس کی سچائی کا ہر ایک مخالف اپنے مرنے کے وقت گواہ ہوگا۔ جس قدر مولوی اور ملاں ہیں اور ہر ایک اہل عناد جو میرے مخالف کچھ لکھتا ہے وہ سب یاد رکھیں کہ اس اُمید سے وہ نامراد مریں گے کہ حضرت عیسیٰ کو وہ آسمان سے اُترتے دیکھ لیں۔ وہ ہرگز اُن کو اُترتے نہیں دیکھیں گے یہاں تک کہ بیمار ہو کر غرغرہ کی حالت تک پہنچ جائیں گے اور نہایت تلخی سے اِس دنیا کو چھوڑیں گے۔ کیا یہ پیشگوئی نہیں؟ کیا وہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ پوری نہیں ہوگی؟ ضرور پوری ہوگی پھر اگر اُن کی اولاد ہوگی تو وہ بھی یاد رکھیں کہ اسی طرح وہ بھی نامراد مریں گے اور کوئی شخص آسمان سے نہیں اُترے گا۔ اور پھر اگر اولاد کی اولاد ہوگی تو وہ بھی اس نامرادی سے حصہ لیں گے اور کوئی اِن میں سے حضرت عیسیٰ کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گا۔

اور بعض نادان کہتے ہیں کہ احمد بیگ کے داماد کی نسبت پیشگوئی پوری نہیں ہوئی وہ نہیں سمجھتے کہ یہ پیشگوئی بھی عبداللہ آتھم کے متعلق کی پیشگوئی کی طرح شرطی تھی اور اس میں خدا تعالیٰ کی وحی اُس کی منکوحہ کی نانی کو مخاطب کر کے یہ تھی **توبی توبی فانّ البلاء علٰی عقبک** یعنی اے عورت توبہ توبہ کر کہ تیری لڑکی کی لڑکی پر بلا آنے والی ہے۔ سو جب خود احمد بیگ اِس پیشگوئی کے مطابق جس کی یہ پیشگوئی ایک شاخ ہے میعاد کے اندر فوت ہو گیا تو جیسا کہ انسانی سرشت کا خاصہ ہے سب متعلقین کے دلوں میں خوف پیدا ہوا اور وہ ڈرے اور تضرع کیا اس لئے خدا نے اس پیشگوئی کے ظہور میں تاخیر ڈال دی اور یہ تو شرطی پیشگوئی تھی جیسا ﴿۱۹۸﴾
کہ عبداللہ آتھم کی موت کی نسبت بھی شرطی پیشگوئی تھی جس کی وفات پر قریباً گیارا۱۱ برس گذر گئے مگر یونس نبی نے جو اپنی قوم کے ہلاک ہونے کی نسبت پیشگوئی کی تھی۔ اُس میں

تو کوئی شرط نہ تھی۔ مگر وہ قوم بھی توبہ واستغفار سے بچ گئی۔ ہم بار بار کہہ چکے ہیں کہ وعید کی پیشگوئیاں توبہ واستغفار سے تاخیر پذیر ہوسکتی ہیں بلکہ منسوخ ہوسکتی ہیں جیسا کہ یونسؑ کی قوم کی نسبت جو ہلاک کرنے کا وعدہ تھا صرف توبہ سے ٹل گیا مگر افسوس اس زمانہ کے یہ لوگ کیسے اندھے ہیں کہ بار بار ان کو کتاب اللہ کے موافق جواب دیا جاتا ہے اور پھر نہیں سمجھتے۔ کیا ان کے نزدیک یونس نبی سچا نبی نہیں تھا؟ جس کی پیشگوئی بغیر کسی شرط کے تھی اور قطعی پیشگوئی تھی کہ چالیس دن میں اُس کی قوم عذاب سے ہلاک کی جائے گی مگر وہ قوم ہلاک نہ ہوئی مگر اس جگہ تو ایسا اعتراض آتا نہ تھا جیسا کہ حضرت یونس کی پیشگوئی پر آتا تھا۔ اس جگہ تو عبداللہ آتھم اور احمد بیگ اور اُس کے داماد کی موت کی نسبت شرطی پیشگوئیاں تھی۔ تعجب ہے کہ چاؔر پیشگوئیوں میں سے تین پیشگوئیاں پوری ہوچکیں۔ اور عبداللہ آتھم اور احمد بیگ اور لیکھرام مدت ہوئی کہ پیشگوئیوں کے مطابق اس جہاں سے گذر گئے پھر بھی یہ لوگ اعتراض سے باز نہیں آتے۔

اور یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ احمد بیگ کی لڑکی کے لئے طرح طرح کی امید دینے سے کیوں کوشش کی گئی۔ نہیں سمجھتے کہ وہ کوشش اِسی غرض سے تھی کہ وہ تقدیر اس طور سے ملتوی ہوجائے اور وہ عذاب ٹل جائے۔ یہی کوشش عبداللہ آتھم اور لیکھرام سے بھی کی گئی تھی۔ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ کسی پیشگوئی کے پورا کرنے کے لئے کوئی جائز کوشش کرنا حرام ہے۔ ذرہ غور سے اور حیا سے سوچو کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن شریف میں یہ وعدہ نہیں دیا گیا تھا کہ عرب کی بت پرستی نابود ہوگی اور بجائے بت پرستی کے اسلام قائم ہوگا اور وہ دن آئے گا کہ خانہ کعبہ کی کنجیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہوں گی۔ جس کو چاہیں گے دیں گے اور خدا یہ سب کچھ آپ کرے گا مگر پھر بھی اسلام کی اشاعت کے لئے ایسی کوشش ہوئی جس کی تفصیل کی ضرورت نہیں بلکہ حدیث صحیح میں ہے کہ اگر کوئی خواب دیکھے اور اس کی کوشش سے وہ خواب پوری ہوسکے تو اس رؤیا کو اپنی کوشش سے پوری کر لینا چاہیے۔

جواب شبہات الخطاب الملیح فی تحقیق المہدی والمسیح ﴿۱۹۹﴾

جو
مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے خرافات کا مجموعہ ہے

اس رسالہ میں جہاں تک مؤلف سے ہو سکا میری تکذیب کے لئے بہت ہاتھ پَیر مارے ہیں اور اپنے خیال کو قوت دینے کے لئے بہت سی خلاف واقعہ باتوں سے کام لیا ہے۔ یہ کتاب سراسر کچی اور بے اصل اور لغو خیالات اور مفتریات سے پُر ہے۔ اور میں جانتا ہوں کہ اس کے ردّ کی کچھ بھی ضرورت نہیں اور ایسا شخص جو قرآن شریف اور حدیث کا کچھ علم رکھتا ہے اس کے لئے اس بات کی حاجت نہیں کہ اس کا ردّ لکھا جائے مگر چونکہ میں نے سنا ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب کے مرید سہارنپور کے نواح میں اس رسالہ کو بہت عزت سے دیکھتے ہیں اور محض اس خیال سے کہ یہ تحریر ان کی ایام زندگی کی یادگار رہے بہت محبت سے اس کو پڑھتے ہیں اس لئے مَیں نے مناسب سمجھا کہ ایسے لوگوں کو دھوکہ سے بچانے کے لئے ان چند ضروری اعتراضات کا جواب دیا جائے جن کی وجہ سے اس نواح کے جاہل اور بے علم ورطۂ ضلالت میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اور اس رسالہ مجموعۂ اباطیل پر ناز کرتے ہیں۔

لیکن میں اس جگہ حق کے طالبوں پر ایک سیدھی راہ کھولنے کے لئے مناسب سمجھتا ہوں کہ جو اصل مسئلہ مابہ النزاع ہے پہلے اس کا کچھ تذکرہ کیا جائے۔ سو وہ یہ ہے کہ ہمارے مخالف جن میں مولوی رشید احمد بھی داخل ہیں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت نہیں ہوئے اور وہ کسی غرض کے لئے زندہ مع جسم عنصری آسمان پر چلے گئے ہیں☆ اور کسی وقت

☆ معبّرین نے لکھا ہے کہ جو شخص خواب میں یہ دیکھے کہ وہ زندہ مع جسم عنصری آسمان پر چلا گیا ہے اُس کی یہی تعبیر ہو گی کہ وہ اپنی طبعی موت سے مرے گا۔ یعنی مخالفوں کے ارادۂ قتل سے امن میں رہے گا۔ پس کچھ تعجب نہیں کہ ایسی خواب حضرت عیسیٰ نے بھی دیکھی ہو اور پھر نادان لوگوں نے خواب کی تعبیر پر نظر نہ رکھ کر سچ مچ آسمان پر مع جسم عنصری جانا سمجھ لیا ہو۔ منہ

قیامت سے پہلے دوبارہ دنیا میں نازل ہوں گے مگر نہیں بتلاتے کہ وہ کونسی غرض تھی جس کے لئے وہ آسمان پر اٹھائے گئے کیا صرف یہودیوں کے ہاتھ سے جان بچانا منظور تھا یا کوئی اور بات تھی؟ اور نہیں بتلا سکتے کہ اب تک جو دو ہزار برس کے قریب ہو چکا کیوں وہ آسمان پر
ہیں۔ کیا ابھی تک یہودیوں کے مواخذہ کا کچھ دھڑکا دل میں باقی ہے؟ اور نہیں بتلا سکتے کہ «۲۰۰»
کیوں ان کو یہ خصوصیت دی گئی کہ برخلاف جمیع انبیاء کے وہ اتنی مدت تک کہ اب دو ہزار برس کے قریب پہنچ گئے آسمان پر ہیں۔ اور پھر کسی وقت مطابق پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمین پر نازل ہوں گے اور نہیں بتلا سکتے کہ ایسے رفع جسمانی اور پھر نزول میں مصلحت الٰہی کیا تھی؟ کیا یہودیوں کے پکڑنے کا اندیشہ یا کچھ اَور۔ اور نہیں بتلا سکتے کہ ایسے شخص کو یہ صعود اور نزول کی خصوصیت کیوں دی گئی جس کی نسبت اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ وہ خدا بنایا جائے گا۔ اور چالیس کروڑ مخلوق محض اس کی طرف یہ خوارق منسوب ہونے کی وجہ سے اس کو خدا کا بیٹا بلکہ خدا مانیں گے۔ اور یہ لوگ اگرچہ بڑے زور سے کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ مرے نہیں بلکہ زندہ ہیں مگر نہیں بتلا سکتے کہ برخلاف سنت اللہ کی کس نص صریح قرآن شریف سے ان کی زندگی ثابت ہے۔ مگر وہ عقیدہ جس پر خدا تعالیٰ نے علیٰ وجہ البصیرت مجھ کو قائم کیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مثل دیگر انسانوں کے انسانی عمر پا کر فوت ہو گئے ہیں اور آسمان پر مع جسم عنصری چڑھ جانا اور پھر کسی وقت مع جسم عنصری زمین پر نازل ہونا یہ سب اُن پر تہمتیں ہیں۔ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَل: قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا[1]۔

پس اصل مسئلہ جو طے ہونے اور فیصلہ ہونے کے لائق ہے وہ یہی ہے کہ کیا یہ سچ ہے کہ برخلاف عادت اللہ درحقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام مع جسم عنصری آسمان پر چڑھ گئے تھے اور اگر بہ نصوص صریحہ بیّنہ قرآن شریف سے ثابت ہو جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام درحقیقت آسمان پر مع جسم عنصری اٹھائے گئے تھے تو پھر اُن کے نازل ہونے کے بارے میں کسی بحث کی ضرورت نہیں کیونکہ جو شخص مع جسم عنصری آسمان پر جائے گا اُس کا واپس آنا بموجب نصّ قرآنی ضروری ہے

[1] بنی اسرائیل: ۹۴

پس اگر حضرت عیسیٰ مع جسم آسمان پر چلے گئے ہیں تو واپس آنے میں کیا شک ہے وجہ یہ کہ اگر دوبارہ زمین پر آنے کے لئے کسی اور کام کی غرض سے ان کی کچھ ضرورت نہ ہو مگر پھر بھی مرنے کے لئے اُن کا آنا ضرور ہوگا کیونکہ آسمان پر کوئی قبروں کی جگہ نہیں۔ اور نص صریح قرآن شریف سے ثابت ہے کہ ہر ایک انسان زمین پر ہی مرے گا اور زمین میں ہی دفن کیا جائے گا اور زمین سے ہی نکالا جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَ فِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَ مِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى[1] ﴿۲۰۱﴾ البتہ یہ ممکن ہے کہ آسمان سے بیمار ہو کر آویں یا راہ میں بیمار ہو جائیں اور پھر زمین پر آ کر مر جائیں۔ اور یہ ہم نے اس لئے کہا کہ احادیث سے ثابت ہے کہ آنے والا عیسیٰ زعفرانی رنگ کی دو چادروں میں نازل ہوگا۔ اور تمام معبّرین کے اتفاق سے تعبیر کی رو سے زرد رنگ چادر سے بیماری مراد ہوتی ہے۔

اور میں کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ مَیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مسیح موعود ہوں۔ احادیث میں میرے جسمانی علامات میں سے یہ دو علامتیں بھی لکھی گئی ہیں کیونکہ زرد رنگ چادر سے بیماری مراد ہے اور جیسا کہ مسیح موعود کی نسبت حدیثوں میں دو زرد رنگ چادروں کا ذکر ہے ایسے ہی میرے لاحق حال دو بیماریاں ہیں۔ ایک بیماری بدن کے اوپر کے حصہ میں ہے جو اوپر کی چادر ہے اور وہ دورانِ سر ہے جس کی شدت کی وجہ سے بعض وقت میں زمین پر گر جاتا ہوں اور دل کا دورانِ خون کم ہو جاتا ہے اور ہولناک صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور دوسری بیماری بدن کے نیچے کے حصہ میں ہے جو مجھے کثرت پیشاب کی مرض ہے جس کو ذیابیطس بھی کہتے ہیں۔ اور معمولی طور پر مجھ کو ہر روزہ پیشاب بکثرت آتا ہے اور پندرہ۱۵ یا بیس۲۰ دفعہ تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اور بعض اوقات قریب سَو۱۰۰ دفعہ کے دن رات میں آتا ہے اور اس سے بھی ضعف بہت ہو جاتا ہے سو یہ زرد رنگ کی دو چادریں ہیں جو میرے حصہ میں آ گئی ہیں۔ اور جو لوگ مجھے قبول نہیں کرتے اُن کو تو بہر حال ماننا پڑے گا کہ حضرت عیسیٰ نزول کے وقت آسمان سے یہ تحفہ لائیں گے جو دو۲ بیماریاں اُن کے لاحق حال ہوں گی۔ ایک بدن کے اوپر کے حصہ میں اور دوسری بدن کے

[1] طٰہٰ:۵۶

نیچے کے حصہ میں ہوگی۔

اور اگر کوئی یہ کہے کہ ان چادروں سے اصلی چادریں ہی مراد ہیں تو گویا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے وقت ہندوؤں کے جوگیوں کی طرح زرد رنگ کی دو چادروں میں نازل ہوں گے۔ مگر یہ معنے ان معنوں کے برخلاف ہیں جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مکاشفات کی نسبت کئے ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں میں دو کڑے دیکھے تھے اور اس کی تعبیر دو جھوٹے نبی فرمایا تھا۔ اور گائیاں ذبح ہوتی دیکھی تھیں اور اُس کی تعبیر اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کی شہادت فرمائی تھی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک بڑا پیراہن دیکھا تھا اور اس کی تعبیر تقویٰ کی تھی۔ پس اس حدیث میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّتِ قدیم کے موافق کیوں دو زرد چادروں کی وہ تعبیر نہ کی جائے جو بالاتفاق اسلام کے تمام اکابر معبّروں نے کی ہے جن میں سے ایک بھی اس تعبیر کے مخالف نہیں۔ اور وہ یہی تعبیر ہے کہ دو زرد چادروں سے دو بیماریاں مراد ہیں۔ اور میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ میرا تجربہ بھی یہی ہے اور بہت سے مرتبہ جس کا میں شمار نہیں کرسکتا مجھے رؤیا میں اپنی نسبت یا کسی دوسرے کی نسبت جب کبھی معلوم ہوا کہ زرد چادر بدن پر ہے تو اس سے بیمار ہونا ہی ظہور میں آیا ہے۔ پس یہ ظلم ہے کہ جیسا کہ مُتَوَفِّيْكَ کے لفظ کے معنے حضرت عیسیٰ کی نسبت سارے جہان کے برخلاف کئے جاتے ہیں ایسا ہی دو زرد چادروں کی نسبت بھی وہ معنے کئے جائیں کہ جو برخلاف بیان کردہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و اصحاب رضی اللہ عنہم و تابعین و تبع تابعین و ائمہ اہل بیت ہوں۔ ﴿۲۰۲﴾

اب خلاصہ کلام یہ کہ اس مقام میں نہایت ضروری بحث یہ ہے کہ آیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام درحقیقت فوت ہو گئے یا نہیں کیونکہ اگر یہ بات ثابت ہے کہ وہ مع جسم عنصری زندہ آسمان پر چلے گئے ہیں تو پھر جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔ بہرحال ان کا زمین پر آنا مہدی کی شمولیت کے لئے یا صرف مرنے کے لئے ضروری ہے۔ یہی اصل بحث ہے جس کے طے ہونے سے تمام جھگڑا طے ہو جاتا ہے اور جس فریق کے ہاتھ میں دلائل قویّہ حیات یا موت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہیں وہی فریق

سچ پر ہے۔ اور پھر اس بحث کے طے ہونے کے بعد دوسری فروعی بحثیں غیر ضروری ہو جاتی ہیں بلکہ فریق مغلوب کے دوسرے عذرات خود بخود رد ہو جاتے ہیں۔ سو طالب حق کے لئے نہایت ضروری یہی مسئلہ ہے جس پر اُسے پوری توجہ کے ساتھ غور کرنا لازم ہے۔

اس جگہ افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ قرآن شریف نے صریح لفظوں میں
﴿۲۰۳﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا بیان فرمایا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صریح لفظوں میں حضرت عیسیٰ کا ان ارواح میں داخل ہونا بیان فرما دیا ہے جو اس دنیا سے گذر چکی ہیں۔ اور اصحاب رضی اللہ عنہم نے کھلے کھلے اجماع کے ساتھ اس فیصلہ پر اتفاق کر لیا ہے کہ تمام نبی فوت ہو چکے ہیں☆۔ پھر بھی ہمارے مخالف بار بار حضرت عیسیٰ کی حیات کو پیش کرتے ہیں۔ قرآن شریف

☆ **حاشیہ** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کو آپ کی وفات سے سخت صدمہ گذرا تھا اور اسی صدمہ کی وجہ سے حضرت عمرؓ نے بعض منافقوں کے کلمات سن کر فرمایا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ دنیا میں آئیں گے اور منافقوں کے ناک اور کان کاٹیں گے۔ پس چونکہ یہ خیال غلط تھا اس لئے اول حضرت ابوبکر صدیق حضرت عائشہ صدیقہ کے گھر آئے اور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ پر سے چادر اٹھا کر پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور کہا۔ اَنْتَ طَیِّبٌ حَیًّا و مَیِّتًا لَنْ یَّجْمَعَ اللّٰہُ عَلَیْکَ الْمَوْتَیْنِ اِلَّا مَوْتَتَکَ الْاُوْلٰی یعنی تو زندہ اور میّت ہونے کی حالت میں پاک ہے خدا تعالیٰ ہرگز تیرے پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا مگر پہلی موت۔ اس قول سے مطلب یہی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں واپس نہیں آئیں گے اور پھر تمام اصحاب رضی اللّٰہ عنہم کو مسجد نبوی میں جمع کیا۔ اور حسن اتفاق سے اس دن تمام صحابہؓ جو زندہ تھے مدینہ میں موجود تھے پس سب کو جمع کر کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے منبر پر چڑھ کر یہ آیت پڑھی۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ﴿۲۰۴﴾
اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ[۱] یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف نبی ہیں اور پہلے اس سے سب نبی فوت ہو چکے ہیں۔ پس کیا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو جائیں

۱ ال عمران: ۱۴۵

کو چھوڑتے ہیں۔ حدیث کو چھوڑتے ہیں صحابہ کے اجماع کو چھوڑتے ہیں اور اپنے باپ دادوں کی غلطی کو مضبوط پکڑتے ہیں۔ اور ایک ذرّہ اُن کے پاس اِس بات کا ثبوت نہیں کہ حضرت عیسیٰ فوت نہیں ہوئے۔ اور آخری زمانہ میں دوبارہ دنیا میں آئیں گے۔ صرف وہ حسد ان کو مخالفت پر آمادہ کر رہا ہے کہ جو ہمیشہ بوجہ معاصرت خود پسند لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو جایا کرتا ہے۔ اگر بفرض محال یہ امر بھی درمیان ہوتا جو میرے دلائل کے مقابل پر حضرت عیسیٰ کی حیات پر ان کے
﴿۲۰۴﴾ پاس قرآن شریف یا حدیث کی رو سے کچھ دلائل ہوتے تب بھی تقویٰ کا تقاضا یہ ہونا چاہیے تھا کہ

حاشیہ

یا قتل کئے جائیں تو تم لوگ دین کو چھوڑ دو گے؟ یہ پہلا اجماع تھا جو صحابہ رضی اللّٰہ عنھم میں ہوا۔ جس سے ثابت ہوا کہ کل نبی فوت ہو چکے ہیں جن میں حضرت عیسیٰ بھی داخل ہیں۔ اور یہ کہنا کہ خَلَتْ کے معنوں میں زندہ آسمان پر جانا بھی داخل ہے یہ سراسر ہٹ دھرمی ہے۔ کیونکہ عرب کی تمام لُغت دیکھنے سے کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ زندہ آسمان پر جانے کے لئے بھی خلت کا لفظ آ سکتا ہے۔ ماسوا اِس کے اس جگہ اللہ تعالیٰ نے خلت کے معنے دوسرے فقرہ میں خود بیان فرما دیئے ہیں۔ کیونکہ فرمایا۔ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ۔ پس خلت کے معنے دو صورتوں میں محدود کر دیئے۔ ایک یہ کہ طبعی موت سے مرنا دوسرے قتل کئے جانا۔ ورنہ تشریح یوں ہونی چاہیئے تھی۔ اَفَاِن مَّات او قتل او رفع الی السّماء مع جسمہ العنصری۔ یعنی اگر مر جائے یا قتل کیا جائے یا مع جسم آسمان پر اٹھا دیا جائے۔ یہ تو بلاغت کے برخلاف ہے کہ جس قدر معنوں پر خلت کا لفظ بقول مخالفین مشتمل تھا۔ ان میں سے صرف دو معنے لئے اور تیسرے کا ذکر تک نہ کیا۔ ماسوا اس کے اصل مطلب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ تھا کہ دوسری مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں نہیں آئیں گے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر بوسہ دینے کے وقت حضرت ابوبکر نے اس کی تصریح بھی کر دی تھی تو بہرحال مخالف کو ماننا پڑے گا کہ کسی طرح حضرت عیسیٰ دنیا میں نہیں آسکتے گو بفرض محال زندہ ہوں۔ ورنہ غرض استدلال باطل ہو جائے گی۔ اور یہ صحابہ کا اجماع وہ چیز ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ منه

وہ لوگ ایسے شخص کے مقابل پر جو عین ضرورت کے زمانہ میں اور عین صدی کے سر پر آیا ہے اور قوی نشانوں سے اپنا دعویٰ ثابت کرتا ہے کچھ حیا اور شرم کرتے کیونکہ خدا تعالیٰ نے ان کا نام تو حَکَم نہیں رکھا تا مسیح موعود کے مقابل پر اپنی بات کو اور اپنے قول کو وہ ترجیح دیں۔ **بلکہ مسیح موعود کا نام حَکَم** رکھا ہے۔ پس شرط تقویٰ یہ تھی کہ اگر کچھ دلائل ظنیہ اُن کے ہاتھ ہوتے بھی تب بھی ایسے شخص کے مقابل پر جو دلائل شرعیہ یقینیہ پیش کرتا ہے اور آسمانی نشان دکھلاتا ہے اپنے دلائل کو چھوڑ دیتے مگر افسوس کہ وہ لوگ یہودیوں کے قدم پر قدم رکھتے ہیں اور محض جھوٹ کی حمایت کرتے ہیں۔ **میں تو خدا تعالیٰ کی طرف سے حَکَم ہو کر آیا ہوں مگر وہ میرے پر حَکَم بننا چاہتے ہیں۔**

اب ہم اس بات کے لکھنے کے لئے متوجہ ہوتے ہیں کہ فی الواقع حضرت عیسیٰ علیہ السلام ﴿۲۰۵﴾
فوت ہو گئے ہیں اور ان کی حیات کا عقیدہ قرآن شریف اور احادیث صحیحہ کے مخالف ہے۔

سو یاد رہے کہ قرآن شریف صاف لفظوں میں بلند آواز سے فرما رہا ہے کہ عیسیٰ اپنی طبعی موت سے فوت ہو گیا ہے جیسا کہ ایک جگہ تو اللہ تعالیٰ وعدہ کے طور پر یہ فرماتا ہے يٰعِيْسٰۤى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ [1] اور دوسری آیت میں اس وعدے کے پورا ہونے کی طرف اشارہ فرماتا ہے۔ جیسا کہ اس کا یہ قول ہے وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ [2] پہلی آیت کے یہ معنے ہیں کہ اے عیسیٰ! میں تجھے طبعی موت دوں گا☆ یعنی قتل اور صلیب

حاشیہ

☆ معلوم رہے کہ زبان عرب میں لفظ توفّی صرف موت دینے کو نہیں کہتے بلکہ طبعی موت دینے کو کہتے ہیں جو بذریعہ قتل وصلیب یا دیگر خارجی عوارض سے نہ ہو۔ اسی لئے صاحب کشاف نے جو علامہ لسانِ عرب ہے اس مقام میں تفسیر اِنّی متوفیک میں لکھا ہے کہ اِنّی مُمِیْتُکَ حَتْفَ اَنْفِکَ یعنی میں تجھے طبعی موت دوں گا۔ اسی بناء پر لسان العرب اور تاج العروس میں لکھا ہے۔ توفّی الميّت استيفاء مُدّته التي وفيت له و عدّد ايّامه و شهوره و اَعوامه في الدنيا۔ یعنی مرنے والے کی توفی سے مراد یہ ہے کہ اس کی طبعی زندگی کے تمام دن اور مہینے اور برس پورے کئے جائیں اور یہ صورت اُسی حالت میں ہوتی ہے جب طبعی موت ہو بذریعہ قتل نہ ہو۔ منه

[1] آل عمران: ۵۶ [2] النساء: ۱۵۸، ۱۵۹

کے ذریعہ سے تو ہلاک نہیں کیا جائے گا اور میں تجھے اپنی طرف اٹھاؤں گا۔ پس یہ آیت تو بطور ایک وعدہ کے تھی۔ اور دوسری آیت ممدوحہ بالا میں اس وعدہ کے ایفاء کی طرف اشارہ ہے جس کا ترجمہ مع تشریح یہ ہے کہ یہود خود یقیناً اعتقاد نہیں رکھتے کہ انہوں نے عیسیٰ کو قتل کیا ہے اور جب قتل ثابت نہیں تو پھر موت طبعی ثابت ہے جو ہر ایک انسان کے لئے ضروری ہے۔ پس اس صورت میں جس امر کو یہودیوں نے اپنے خیال میں حضرت عیسیٰ کے رَفع اِلی اللّٰہ کے لئے مانع ٹھہرایا تھا یعنی قتل اور صلیب وہ مانع باطل ہوا اور خدا نے اپنے وعدہ کے موافق ان کو اپنی طرف اٹھالیا۔

اور اس جگہ اس بات پر ضد کرنا بے فائدہ ہے کہ تــوفّی کے معنے مارنا نہیں☆۔ کیونکہ اس بات پر تمام ائمہ لغتِ عرب اتفاق رکھتے ہیں کہ جب ایک عَلَم پر یعنی کسی شخص کا نام لے کر توفّی کا لفظ اُس پر استعمال کیا جائے مثلاً کہا جائے تـوفّی اللّٰہ زیدًا تو اس کے یہی معنے ہونگے کہ خدا نے زید کو مار دیا۔ اسی وجہ سے ائمہ لغت ایسے موقع پر دوسرے معنے لکھتے ہی نہیں۔ صرف وفات دینا لکھتے ہیں۔ چنانچہ لسان العرب میں ہمارے بیان کے مطابق یہ فقرہ ہے تـوفّی فلان و توفّاہ اللّٰہ اذا قبض نفسہ و فی الصّحاح اذا قبض روحہ یعنی جب یہ بولا جائے گا کہ توفّی فلان یا یہ کہا جائے گا توفّاہ اللّٰہ تو اس کے صرف یہی معنے ہوں گے کہ فلاں شخص مر گیا اور ﴿۲۰۶﴾

☆ صحیح بخاری میں بھی جو بعد کتاب اللہ اصحّ الکتب کہلاتی ہے تـوفّی کے معنے مارنا ہی لکھا ہے کیونکہ حضرت ابن عباس سے آیت یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ کی نسبت یہ روایت لکھی ہے کہ اِنّــی مُــمِیْتُک ۔ اور امام بخاری نے بھی اپنا یہی مذہب ظاہر کیا ہے کیونکہ وہ اس کی تائید کے لئے ایک اور حدیث لایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جیسا کہ عیسیٰ قیامت کو کہے گا کہ جو لوگ میری اُمت میں سے بگڑ گئے ہیں وہ میری موت کے بعد بگڑے ہیں۔ میں بھی یہی کہوں گا کہ جو لوگ میری اُمت میں سے بگڑے ہیں وہ میری موت کے بعد بگڑے ہیں۔ پس ایسی صورت میں جو توفی کے لفظ کا فاعل خدا اور کوئی نام لے کر مفعول بہٖ ہو ضرور مارنا ہی معنے ہوتے ہیں جس سے انکار کی کوئی صورت نہیں۔ منہ

خدا نے اُس کو مار دیا۔ اِس مقام میں تاج العروس میں یہ فقرہ لکھا ہے۔ تُوُفِّیَ فَلانٌ اذا مات یعنی تُوُفِّیَ فَلانٌ اس شخص کی نسبت کہا جائے گا۔ جب وہ مر جائے گا۔ دوسرا فقرہ تاج العروس میں یہ لکھا ہے تَوَفَّاهُ اللّٰه عَزَّ وَجَلَّ :اِذَا قَبَضَ نَفْسَهٗ یعنی یہ فقرہ کہ تَوَفَّاهُ اللّٰه عَزَّ وَجَلَّ اس مقام میں بولا جائے گا۔ جب خدا کسی کی روح قبض کرے گا۔ اور صحاح میں لکھا ہے تَوَفَّاهُ اللّٰهُ قَبَضَ رُوْحَہ یعنی اس فقرہ تَوَفَّاهُ اللّٰه کے یہ معنے ہیں کہ فلاں شخص کی روح کو خدا تعالیٰ نے قبض کر لیا ہے۔ اور میں نے جہاں تک ممکن تھا صحاح ستہ اور دوسری احادیث نبویہ پر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام اور صحابہؓ کے کلام اور تابعین کے کلام اور تبع تابعین کے کلام میں کوئی ایک نظیر بھی ایسی نہیں پائی جاتی جس سے یہ ثابت ہو کہ کسی عَلَم پر توفّی کا لفظ آیا ہو یعنی کسی شخص کا نام لے کر توفّی کا لفظ اس کی نسبت استعمال کیا گیا ہو اور خدا فاعل اور وہ شخص مفعول بہٖ ٹھہرایا گیا ہو اور ایسی صورت میں اس فقرہ کے معنے بجز وفات دینے کے کوئی اور کئے گئے ہوں بلکہ ہر ایک مقام میں جب نام لے کر کسی شخص کی نسبت توفّی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور اس جگہ خدا فاعل اور وہ شخص مفعول بہٖ ہے جس کا نام لیا گیا تو اس سے یہی معنے مراد لئے گئے ہیں کہ وہ فوت ہو گیا ہے ۔ چنانچہ ایسی نظیریں مجھے تین۳۰۰ سو سے بھی زیادہ احادیث میں سے ملیں جن سے ثابت ہوا کہ جہاں کہیں توفّی کے لفظ کا خدا فاعل ہو اور وہ شخص مفعول بہٖ ہو جس کا نام لیا گیا ہے تو اس جگہ صرف مار دینے کے معنے ہیں نہ اور کچھ مگر باوجود تمام تر تلاش کے ایک بھی ایسی حدیث مجھے نہ ملی جس میں توفّی کے فعل کا خدا فاعل ہو اور مفعول بہٖ عَلَم ہو یعنی نام لے کر کسی شخص کو مفعول بہٖ ٹھہرایا گیا ہو اور اس جگہ بجز مارنے کے کوئی اور معنے ہوں۔ ﴿۲۰۷﴾

اسی طرح جب قرآن شریف پر اول سے آخر تک نظر ڈالی گئی تو اس سے بھی یہی ثابت ہوا جیسا کہ آیت تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ[۱] اور آیت وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ[۲] وغیرہ آیات سے ثابت ہے اور پھر مَیں نے

۱ یوسف:۱۰۲ ۲ یونس:۴۷

عرب کے دیوانوں کی محض اِسی غرض سے سیر کی اور جاہلیت اور اسلامی زمانہ کے اشعار بڑے غور سے دیکھے اور بہت سا وقت ان کے دیکھنے میں خرچ ہوا مگر میں نے ان میں بھی ایک نظیر ایسی نہ پائی کہ جب خدا توفّی کے لفظ کا فاعل ہو اور ایک عَلَم مفعول بہٖ ہو یعنی کوئی شخص اس کا نام لیکر مفعول بہٖ ٹھہرایا گیا ہو تو ایسی صورت میں بجز مار دینے کے کوئی اور معنے ہوں بعد اس کے میں نے اکثر عرب کے اہل علم اور اہل فضل وکمال سے دریافت کیا تو ان کی زبانی بھی یہی معلوم ہوا کہ آج کے دنوں تک تمام عرب کی سرزمین میں یہی محاورہ جاری وساری ہے کہ جب ایک شخص دوسرے شخص کی نسبت بیان کرتا ہے کہ توفّی اللّٰہ فلانا تو اس کے معنے قطعی اور یقینی طور پر یہی سمجھے جاتے ہیں کہ فلاں شخص کو خدا تعالیٰ نے مار دیا۔ اور جب ایک عرب کو دوسرے عرب کی طرف سے خط آتا ہے اور اس میں مثلاً یہ لکھا ہوا ہوتا ہے کہ توفّی اللّٰہ زیدًا تو اس کا یہی مطلب سمجھا جاتا ہے کہ خدا نے زید کو مار دیا۔ پس اس قدر تحقیق کے بعد جو حق الیقین تک پہنچ گئی ہے یہ امر فیصلہ ہو گیا ہے اور امور مشہودہ محسوسہ کے درجہ تک پہنچ گیا ہے کہ ایک شخص جس کی نسبت اس طور سے لفظ توفّی استعمال کیا جائے۔ اس کے یہی معنے ہوں گے کہ وہ شخص وفات پا گیا ہے نہ اور کچھ اور چونکہ اسی طور سے لفظ توفّی قرآن شریف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت دوؔ مقام میں استعمال پایا ہے۔ پس قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہوا کہ درحقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اور ان کا رفع وہی ہے جو روحانی ﴿۲۰۸﴾
رفع ہوتا ہے۔ اور ان کی وفات بذریعہ قتل اور صلیب کے نہیں ہوئی ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں خبر دی ہے بلکہ وہ اپنی طبعی موت سے وفات پا گئے ہیں۔

اور لسان العرب اور دیگر کتب لغت سے ظاہر ہے کہ اصل معنی توفی کے یہی ہیں کہ طبعی موت سے کسی کو مارا جائے اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ زبانِ عرب کا ایک

بے مثل امام جس کے مقابل پر کسی کو چون و چرا کی گنجائش نہیں یعنی علّامہ زمخشری☆ آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ کے یہی معنے کرتا ہے کہ اِنّی مُمِیتک حتف انفک ۔یعنی اے عیسیٰ! میں تجھے طبعی موت ماروں گا۔حتف لغت عرب میں موت کو کہتے ہیں اور انف کہتے ہیں ناک کو۔اور عربوں میں قدیم سے یہ عقیدہ چلا آتا ہے کہ انسان کی جان ناک کی راہ سے نکلتی ہے۔اس لئے طبعی موت کا نام انہوں نے حتف انف رکھ دیا۔اور عربی زبان میں توفّی کے لفظ کا اصل استعمال طبعی موت کے محل پر ہوتا ہے اور جہاں کوئی شخص قتل کے ذریعہ سے ہلاک ہو وہاں قتل کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور یہ ایسا محاورہ ہے کہ جو کسی عربی دان پر پوشیدہ نہیں۔ ہاں یہ عرب کے لوگوں کا قاعدہ ہے کہ کبھی ایسے لفظ کو کہ جو اپنی اصل وضع میں استعمال اس کی کسی خاص محل کے لئے ہوتا ہے ایک قرینہ قائم کر کے کسی غیر محل پر بھی مستعمل کر دیتے ہیں یعنی استعمال اس کا وسیع کر دیتے ہیں۔اور جب ایسا قرینہ موجود نہ ہو تو پھر ضروری ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں وہ لفظ اپنی اصل وضع پر استعمال پاوے۔سو اس جگہ جو علامہ امام زمخشری نے ﴿۲۰۹﴾ زیر آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ یہ لکھا ہے کہ اِنّی متوفیک[1] حتف انفک یعنی اے عیسیٰ میں تجھے تیری طبعی موت سے ماروں گا۔ان معنوں کے کرنے میں علامہ موصوف نے صرف لفظ توفی کی اصل وضع استعمال پر نظر نہیں رکھی بلکہ مقابل پر اس آیت کو دیکھ کر کہ ماقتلوہ یقینا اور اس آیت کو دیکھ کر کہ ما قتلوہ و ماصلبوہ اس بات پر قرینہ قویہ پایا کہ اس جگہ لفظ متوفیک

☆ واضح رہے کہ اس جگہ جو ہم نے زمخشری کو علامہ اور امام کے نام سے یاد کیا ہے وہ محض باعتبار تبحر فن لغت کے ہے کیونکہ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ شخص زبان عرب کی لغات اور ان کے استعمال کے محل اور مقام اور ان کے الفاظ فصیح اور غیر فصیح اور لغت جیّد اور لغت ردّی اور مترادف الفاظ کے فروق اور خصوصیتیں اور اُن کی ترکیبات اور اُن کے الفاظ قدیم اور مستحدث اور قواعد لطیفہ صرف ونحو و بلاغت سے خوب ماہر اور ان سب باتوں میں امام اور علامۂ وقت تھا نہ کہ اور کسی بات میں۔منہ

حاشیہ

[1] سہو کتابت ہے۔درست ممیتک ہے جیسا کہ اسی صفحہ کی دوسری سطر میں تحریر ہے۔(ناشر)

کا استعمال اپنی اصل وضع پر ضروری اور واجب ہے۔ یعنی اس جگہ اس کے یہ معنے ہیں کہ اے عیسیٰ میں تجھے تیری طبعی موت سے ماروں گا۔ اسی وجہ سے اس نے آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ کی یہ تفسیر کی کہ اِنّی مُمیتک حتف انفک یعنی میں تجھے طبعی موت سے ماروں گا☆۔ پس امام زمخشری کی نظر عمیق نہایت قابل تعریف ہے کہ انہوں نے لفظ توفّی کے صرف اصل وضع استعمال پر حصر نہیں رکھا بلکہ بالمقابل قرآن شریف کی ان آیتوں پر نظر ڈال کر کہ عیسیٰ قتل نہیں کیا گیا اور نہ صلیب دیا گیا اصل وضع لفظ کے مطابق مُتوفّیک کی تفسیر کر دی۔ اور ایسی تفسیر بجز ماہر فن علم لغت کے ہر ایک نہیں کر سکتا۔ یاد رہے کہ علامہ امام زمخشری لسان عرب کا مسلّم عالم ہے اور اس فن میں اس کے آگے تمام مابعد آنے والوں کا سر تسلیم خم ہے۔ اور کتب لغت کے لکھنے والے اس کے قول کو سند میں لاتے ہیں۔ جیسا کہ صاحب تاج العروس بھی جا بجا اس کے قول کی سند پیش کرتا ہے۔

اب ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ جب کہ آیت مَاقَتَلُوْہُ یَقِیْنًا [1] اور آیت وَمَا قَتَلُوْہُ وَمَا صَلَبُوْہُ [2] صرف توفّی کے لفظ کی توضیح کے لئے بیان فرمائی گئی ہے کوئی نیا مضمون نہیں ہے بلکہ صرف یہ تشریح مطلوب ہے کہ جیسا کہ لفظ مُتَوَفِّیْکَ میں یہ وعدہ تھا کہ عیسیٰ کو اس کی طبعی موت سے مارا جائے گا۔ ایسا ہی وہ طبعی موت سے مر گیا۔ نہ کسی نے قتل کیا اور نہ کسی نے صلیب دیا۔ پس یہ خیال بھی جو یہود کے دل میں پیدا ہوا تھا جو عیسیٰ نعوذ باللہ لعنتی ہے اور اس کا روحانی رفع نہیں ہوا ساتھ ہی باطل ہو گیا۔ کیونکہ اس خیال کی تمام بنا صرف قتل اور صلیب پر تھی اور اسی سے یہ نتیجہ نکالا گیا تھا کہ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ ملعون اور راندہ درگاہِ الٰہی ہیں ﴿۲۱۰﴾

☆ چونکہ یہودیوں کے عقیدہ کے موافق کسی نبی کا رفع روحانی طبعی موت پر موقوف ہے اور قتل اور صلیب رفع روحانی کا مانع ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے اوّل یہود کے ردّ کے لئے یہ ذکر فرمایا کہ عیسیٰ کے لئے طبعی موت ہوگی اور پھر چونکہ رفع روحانی طبعی موت کا ایک نتیجہ ہے اس لئے لفظ متوفّیک کے بعد رافعک الیّ لکھ دیا۔ تا یہودیوں کے خیالات کا پورا ردّ ہو جائے۔ منہ

[1]، [2] النساء: ۱۵۸

جن کا خدا تعالیٰ کی طرف رفع نہیں ہوا۔ پس چونکہ **متوفّیک** کے لفظ کے ساتھ خدا تعالیٰ نے یہ شہادت دی کہ عیسیٰ اپنی طبعی موت سے مرا ہے اور پھر خدا نے اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ **متوفّیک** کے لفظ کا جو اصل منشاء تھا یعنی طبعی موت سے مرنا اس منشاء کی آیت **ماقتلوہ و ما صلبوہ** اور آیت **وما قتلوہ یقیناً** کے ساتھ پورے طور پر تشریح کر دی۔ کیونکہ جس شخص کی موت قتل وغیرہ خارجی ذریعوں سے نہیں ہوئی اس کی نسبت یہی سمجھا جائے گا کہ وہ طبعی موت سے مرا ہے۔ پس اس میں کچھ شک نہیں کہ فقرہ **وما قتلوہ وما صلبوہ**، **متوفّیک** کے لفظ کے لئے بطور تشریح واقع ہوا ہے۔ اور جب قتل اور صلیب کی نفی ثابت ہوئی تو بموجب اس قول کے کہ **اذا فات الشرط فات المشروط**، **رفع الی اللّٰہ** حضرت عیسیٰ کا ثابت ہو گیا اور یہی مطلوب تھا۔

اور پھر ہم اپنی پہلی کلام کی طرف عود کر کے کہتے ہیں کہ یہ امر ثابت شدہ ہے کہ جس جگہ کسی کلام میں **توفّی** کے لفظ میں خدا تعالیٰ فاعل ہو اور کوئی شخص نام لے کر اس فاعل کا **مفعول بہٖ** قرار دیا جائے ایسے فقرہ کے ہمیشہ یہ معنے ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اس شخص کو مار دیا ہے یا مارے گا کوئی اور معنے ہرگز نہیں ہوتے۔ اور میں نے مدت ہوئی کہ اسی ثابت شدہ امر پر ایک اشتہار دیا تھا کہ جو شخص اس کے برخلاف کسی حدیث یا دیوان مستند عرب سے کوئی ایسا فقرہ پیش کرے گا جس میں باوجود اس کے کہ توفّی کے لفظ کا خدا فاعل ہو اور کوئی عَلَم **مفعول بہٖ** ہو یعنی کوئی ایسا شخص مفعول بہٖ ہو جس کا نام لیا گیا ہو مگر باوجود اس امر کے اس جگہ وفات دینے کے معنے نہ ہوں تو اس قدر اس کو انعام دوں گا۔ اس اشتہار کا آج تک کسی نے جواب نہیں دیا۔ اب پھر اتمام حجت کے لئے دوسو روپیہ نقد کا اشتہار دیتا ہوں کہ اگر کوئی ہمارا مخالف ہمارے اس بیان کو یقینی اور قطعی نہیں سمجھتا تو وہ احادیث صحیحہ نبویہ یا قدیم شاعروں کے اقوال میں سے جو مستند ہوں اور جو عرب کے اہل زبان اور اپنے فن میں مسلّم ہوں کوئی ایک ایسا فقرہ پیش کرے جس میں **توفّی** کے لفظ کا خدا فاعل ہو اور مفعول بہٖ کوئی **عَلَم** ہو جیسے زید اور بکر اور خالد وغیرہ اور اس فقرہ ﴿۲۱۱﴾ کے معنے بداہت کوئی اور ہوں وفات دینے کے معنی نہ ہوں تو ایسی صورت میں **میں ایسے شخص کو**

مبلغ دوسَو روپیہ نقد دوں گا ۔ایسے شخص کو صرف یہ ثابت کرنا ہوگا کہ وہ حدیث جس کو وہ پیش کرتا ہے وہ حدیث صحیح نبوی ہے یا گذشتہ عرب کے شاعروں میں سے کسی ایسے شاعر کا قول ہے جو علم محاوراتِ عرب میں مسلّم الکمال ہے اور یہ ثبوت دینا بھی ضروری ہوگا کہ قطعی طور پر اس حدیث یا اس شعر سے ہمارے دعویٰ کے مخالف معنے نکلتے ہیں اور اِن معنوں سے جو ہم لیتے ہیں وہ مضمون فاسد ہوتا ہے یعنی وہ حدیث یا وہ شعر ان معنوں پر قطعیۃ الدلالت ہے۔ کیونکہ اگر اُس حدیث یا اُس شعر میں ہمارے معنوں کا بھی احتمال ہے تو ایسی حدیث یا ایسا شعر ہرگز پیش کرنے کے لائق نہ ہوگا کیونکہ کسی فقرہ کو بطور نظیر پیش کرنے کے لئے اُس مخالف مضمون کا قطعیۃ الدلالت ہونا شرط ہے۔ وجہ یہ کہ جس حالت میں صدہا نظائر قطعیۃ الدلالت سے ثابت ہو چکا ہے کہ **توفّی** کا لفظ اس صورت میں کہ خدا تعالیٰ اس کا فاعل اور کوئی عَلَم یعنی کوئی نام لے کر انسان اس کا **مفعول بہٖ** ہو بجز وفات دینے اس **مفعول بہٖ** کے کسی دوسرے معنوں پر آ ہی نہیں سکتا تو پھر ان نظائر متواترہ کثیرہ کے برخلاف جو شخص دعویٰ کرتا ہے۔ یہ بار ثبوت اس کی گردن پر ہے کہ وہ ایسی کوئی صریح نظیر جو قطعیۃ الدلالت ہو برخلاف ہمارے دعویٰ کے پیش کرے۔ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ[1]

پھر دوسری پختہ اور قطعی دلیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر خدا تعالیٰ کا یہ قول ہے **بل رفعه الله اليه** ۔کیونکہ قرآن شریف اور احادیث کی تتبع سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ **رفع الی اللّٰہ** جو **رفعه اللّٰه اليه** کے فقرہ سے ظاہر ہے بجز موت کی حالت کے کسی حالت کی نسبت بولا نہیں جاتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے يٰۤاَيَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ ارۡجِعِىۡۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرۡضِيَّةً فَادۡخُلِىۡ فِىۡ عِبٰدِىۡ وَادۡخُلِىۡ جَنَّتِىۡ[2] یعنی اے نفسِ مطمئنہ جو خدا سے آرام یافتہ ہے اپنے خدا کی طرف واپس چلا آ اس حالت میں کہ خدا تجھ سے راضی اور تو خدا سے راضی اور میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میرے بہشت میں داخل ہو جا۔ ﴿۲۱۲﴾

اب ظاہر ہے کہ یہ مقولہ اللّٰہ جلّ شانہ کہ خدا کی طرف واپس چلا آ کوئی اہل اسلام میں سے اس کے

[1] البقرۃ:۲۵ [2] الفجر:۲۸ تا ۳۱

یہ معنے نہیں کرتا کہ زندہ مع جسم عنصری آسمان پر جا بیٹھ ۔ بلکہ آیت ارْجِعِىٓ اِلٰى رَبِّكِ کے معنے موت ہی لئے جاتے ہیں۔ پس جب کہ خدا تعالیٰ کی طرف واپس جانا بموجب نص صریح قرآن شریف کے موت ہے تو پھر خدا کی طرف اٹھائے جانا جیسا کہ آیت بل رفعه الله اليه سے ظاہر ہوتا ہے کیوں موت نہیں۔☆ یہ تو انصاف اور عقل اور تقویٰ کے برخلاف ہے کہ جو معنے نصوص قرآنیہ سے ثابت اور متحقق ہوتے ہیں اُن کو ترک کیا جائے۔ اور جن معنوں اور جس محاورہ کی اپنے پاس کوئی بھی دلیل نہیں اس پہلو کو اختیار کیا جائے۔ کیا کوئی بتلا سکتا ہے کہ رفع الی اللہ کے زبان عرب اور محاورۂ عرب میں بجز وفات دیئے جانے کے کوئی اور بھی معنے ہیں؟ ہاں اس وفات سے ایسی وفات

☆ ایسا ہی بہت سی اور آیتیں قرآن شریف کی ہیں جن سے بداہت یہی معلوم ہوتا ہے کہ رفع الی اللہ اور رجوع الی اللہ کے الفاظ ہمیشہ فوت ہی کے لئے آیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِىْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ۔[1] یعنی وہ فرشتہ تمہیں وفات دیگا جو تم پر موکل ہے اور پھر تم اپنے رب کی طرف واپس کئے جاؤ گے۔ اور جیسا کہ ایک دوسری جگہ فرقان حمید میں فرماتا ہے كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ[2] یعنی ہر نفس موت کا مزا چکھے گا اور پھر ہماری طرف واپس کئے جاؤ گے۔ اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا۔[3] یعنی ہم نے اس کو یعنی اس نبی کو عالی مرتبہ کی جگہ اٹھا لیا۔ اس آیت کی تشریح یہ ہے کہ جو لوگ بعد موت خدا تعالیٰ کی طرف اٹھائے جاتے ہیں ان کے لئے کئی مراتب ہوتے ہیں سو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اس نبی کو بعد اٹھانے کے یعنی وفات دینے کے اس جگہ عالی مرتبہ دیا۔ نواب صدیق حسن خاں اپنی تفسیر فتح البیان میں لکھتے ہیں کہ اس جگہ رفع سے مراد رفع روحانی ہے جو موت کے بعد ہوتا ہے۔ ورنہ یہ محذور لازم آتا ہے کہ وہ نبی مرنے کے لئے زمین پر آوے۔ افسوس ان لوگوں کو آیت اِنّی متوفّیک و رافعک الیّ میں یہ معنے بھول جاتے ہیں حالانکہ اس آیت میں ﴿۲۱۳﴾ پہلے مُتوفّیک کا لفظ موجود ہے اور بعد اس کے رافعک۔ پس جبکہ لفظ رافعک میں معنے موت لے سکتے ہیں تو متوفّیک اور رافعک کے معنے کیوں موت نہیں ہیں؟ منه

[1] السّجدة:۱۲ [2] العنکبوت:۵۸ [3] مریم:۵۸

مراد ہے جس کے بعد روح خدا تعالیٰ کی طرف اٹھائی جاتی ہے۔ جیسے مومنوں کی وفات ہوتی ہے۔ یہی محاورہ خدا تعالیٰ کی پہلی کتابوں میں موجود ہے۔

اور آیت **ممدوحہ** بالا میں جو فرمایا ہے **فادخلی فی عبادی** جس کے معنے پہلے فقرہ کے ساتھ ملانے سے یہ ہیں کہ خدا کی طرف واپس آ جا اور پھر خدا کے بندوں میں داخل ہو جا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی شخص گذشتہ ارواح میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک وفات نہ پالے۔ پس جب کہ بموجب نص قرآن شریف کے گذشتہ ارواح میں داخل ہونا بجز مرنے کے ممتنع اور محال ہے تو پھر کیونکر حضرت عیسیٰ بغیر فوت ہونے کے حضرت یحییٰ کے پاس دوسرے آسمان میں جا بیٹھے۔

اس جگہ یہ نکتہ بھی یاد رہے کہ آیت **ممدوحہ** بالا میں خدا تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے **وادخلی جنتی** جس کے معنے اس فقرہ کو تمام آیت کے ساتھ ملانے سے یہ ہوتے ہیں کہ ''اے نفس آرام یافتہ اپنے خدا کی طرف واپس آ جا تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی اور میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میرے بہشت میں داخل ہو جا'' پس جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مشاہدہ ﴿۲۱۳﴾
سے جو معراج کی رات میں آپ کو ہوا یہ ثابت ہے کہ قرآن شریف کی اس آیت کے مطابق نبیوں اور رسولوں کی روحیں جو دنیا سے گذر چکی ہیں وہ عالم ثانی میں ایک ایسی جماعت کی طرح ہیں جو بلا توقف پچھلی فوت ہونے والے پہلوں کے گروہ میں جا ملتی ہیں اور ان میں داخل ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ آیت **فادخلی فی عبادی** کا منشاء ہے۔ پھر آخری فقرہ ان آیات کا یعنی **وادخلی جنّتی** بھی یہی چاہتا ہے کہ وہ تمام عباد اللہ بلا توقف بہشت میں داخل ہوں اور جیسا کہ آیت **فی عبادی** کا مفہوم کوئی مترقب امر نہیں جو دور دراز زمانہ کے بعد ظہور میں آوے بلکہ راستبازوں کے مرنے کے ساتھ ہی بلا توقف اُس کا ظہور ہوتا ہے یعنی ایک جماعت جو بعد میں مرتی ہے پہلوں میں بلا توقف جا ملتی ہے۔ پس اسی طرح لازم آتا ہے کہ دوسرا فقرہ آیت کا یعنی **وادخلی**

جنّتی وہ بھی بلاتوقف ظہور میں آتا ہو۔ یعنی ہر ایک شخص جو طیب اور طاہر مومنوں میں سے مرے وہ بھی بلاتوقف بہشت میں داخل ہو جائے۔ اور یہی بات حق ہے جیسا کہ قرآن شریف کے دوسرے مقامات☆ میں بھی اس کی تشریح ہے۔۞

☆ اس جگہ بظاہر یہ اعتراض لازم آتا ہے کہ جب کہ ہر ایک مومن طیّب اور طاہر جن کی گردن پر کوئی بوجھ گناہ اور معاصی کا نہیں بلاتوقف بہشت میں داخل ہو جاتے ہیں تو اِس صورت میں حشر اجساد اور اس کے تمام لوازم متعلقہ سے انکار لازم آتا ہے۔ کیونکہ جب کہ بہشت میں داخل ہو چکے تو پھر بموجب آیت وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ[1] اُن کا بہشت سے نکلنا ممتنع ہے۔ پس اس سے تمام کارخانہ حشر اجساد و واقعات معاد کا باطل ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا عقیدہ جو مومنین مطہّرین بلاتوقف بہشت میں داخل ہو جاتے ہیں یہ میری طرف سے نہیں بلکہ یہی عقیدہ ہے جس کی قرآن شریف نے تعلیم دی ہے۔ اور دوسری تعلیم جو قرآن شریف میں ہے جو حشر اجساد ہوگا اور مردے زندہ ہوں گے وہ بھی حق ہے اور ہم اس پر ایمان لاتے ہیں صرف فرق یہ ہے کہ یہ بہشت میں داخل ہونا صرف اجمالی رنگ میں ہے اور اس صورت میں جو مومنوں کو مرنے کے بعد بلاتوقف اجسام دیئے جاتے ہیں وہ اجسام ابھی ناقص ہیں مگر حشر اجساد کا دن تجلّیٔ اعظم کا دن ہے اور اُس دن کامل اجسام ملیں گے اور بہشتیوں کا تعلق کسی حالت میں بہشت سے الگ نہیں ہوگا۔ مِنْ وَجْہٍ وہ بہشت میں ہوں گے اور مِنْ وَجْہٍ خدا تعالیٰ کے سامنے آئیں گے۔ کیا وہ شہداء جو سبز چڑیوں کی طرح بہشت میں پھل کھاتے ہیں کیا وہ چڑیاں بہشت سے باہر نکل کر خدا کے سامنے پیش نہیں ہوں گی؟ فتدبّر۔ منه

۞ جنت میں داخل ہونے کے لئے جسم ضروری ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ وہ جسم عنصری ہو بلکہ ایسا جسم چاہیے کہ جو عنصری نہ ہو کیونکہ جنت کے پھل وغیرہ بھی عنصری نہیں بلکہ وہ خلق جدید ہے اس لئے جسم بھی خلق جدید ہوگا جو پہلے جسم کے مغائر ہوگا مگر مومنوں کے لئے مرنے کے بعد جسم کا ملنا ضروری ہے اور اس پر نہ صرف جنّتی کا لفظ دلالت کرتا ہے بلکہ معراج کی رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کی صرف روحیں نہیں دیکھیں بلکہ سب کے جسم دیکھے اور حضرت عیسیٰ کا جسم ان سے الگ طور کا نہ تھا۔ منه

[1] الحجر: ۴۹

﴿۲۱۴﴾ منجملہ ان کے ایک وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّۃَ [1] یعنی کہا گیا کہ تو بہشت میں داخل ہوجا۔ ایسا ہی اور بہت سے مقامات ہیں جن کا لکھنا موجب تطویل ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ارواح طیبین مطہّرین کے بمجرد فوت ہونے کے بہشت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ایسا ہی بہت سی احادیث سے یہی مطلب ثابت ہوتا ہے اور ارواحِ شہداء کا بہشت کے میوے کھانا یہ تو ایسی مشہور حدیثیں ہیں کہ کسی پر پوشیدہ نہیں ہیں اور خدا تعالیٰ بھی فرماتا ہے۔ [2]
وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ
یعنی جو لوگ خدا تعالیٰ کی راہ میں مارے جاتے ہیں ان کی نسبت یہ گمان مت کرو کہ وہ مُردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں خدا تعالیٰ سے اُن کو رزق ملتا ہے۔ اور کتب سابقہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے پس جب کہ ارواح طیبین مطہرین کا بہشت میں داخل ہونا ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ بہشت وہ مقام ہے جس میں انواع اقسام کی جسمانی نعماء بھی ہوں گی اور طرح طرح کے میوے ہوں گے اور بہشت میں داخل ہونے کے یہی معنے ہیں کہ وہ نعمتیں کھاوے اس صورت میں صرف روح کا بہشت میں داخل ہونا بے معنے اور بے سود ہے۔ کیا وہ بہشت میں داخل ہو کر ایک محروم کی طرح بیٹھی رہے گی اور بہشت کی نعمتوں سے فائدہ نہیں اٹھائے گی؟ پس آیت وادخلی جنّتی صاف بتلا رہی ہے کہ مومن کو مرنے کے بعد ایک جسم ملتا ہے۔☆ اسی وجہ سے تمام

☆ واضح رہے کہ عیسائیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ یسوع مسیح یعنی عیسیٰ جسم عنصری کے ساتھ نہیں اٹھایا گیا بلکہ مرنے کے بعد اُس کو ایک جلالی جسم ملا تھا۔ سو افسوس بلکہ سخت افسوس کہ فیج اعوج کے مسلمان جو قرونِ ثلاثہ کے بعد پیدا ہوئے نہ تو وہ اس مسئلہ کے بارے میں صحابہ رضی اللّٰہ عنہم کا عقیدہ رکھتے ہیں کیونکہ تمام صحابہؓ کا اس بات پر اجماع ہو گیا تھا کہ تمام گذشتہ انبیاء فوت ہو چکے ہیں جن میں حضرت عیسیٰ بھی داخل ہیں۔ اور نہ یہ لوگ اس مسئلہ میں یہودیوں کے ساتھ اتفاق رکھتے ہیں کیونکہ یہودی نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ کو لعنتی ٹھہرا کر صرف ان کے رفع روحانی کے منکر ہیں جو بعد موت

[1] یٰسٓ:۲۷ [2] آل عمران:۱۷۰

اَئمہ اور اکابر متصوفین اس بات کے قائل ہیں کہ مومن جو طیب اور مطہر ہوتے ہیں وہ بمجرد فوت ہونے کے ایک پاک اور نورانی جسم پاتے ہیں جس کے ذریعہ سے وہ نعماءِ جنت سے لذت اٹھاتے ہیں اور بہشت کو صرف شہیدوں کے لئے مخصوص کرنا ایک ظلم ہے بلکہ ایک کفر ہے کیا کوئی

بقیہ حاشیہ

مومن کے لئے ضروری ہے۔ کیونکہ کاٹھ پر لٹکائے جانے کا نتیجہ صرف رفع روحانی سے محروم رہنا اور لعنتی بننا ہے نہ اور کچھ۔ اور نہ یہ لوگ اس مسئلہ میں عیسائیوں کے ساتھ اتفاق رکھتے ہیں کیونکہ عیسائی حضرت عیسیٰ کے رفع جسم کے تو قائل ہیں مگر ان لوگوں کی طرح جسم عنصری کے رفع کے قائل نہیں بلکہ جلالی جسم کے رفع کے قائل ہیں جو بزعم ان کے بعد موت حضرت عیسیٰ کو ملا۔ سو
ہم اس بات سے منکر نہیں ہو سکتے کہ بعد موت حضرت عیسیٰ کو جلالی جسم ملا ہو جو خاکی جسم نہیں ہے ﴿۲۱۵﴾
کیونکہ وہ ہر ایک مومن راستباز کو بعد موت ملتا ہے جیسا کہ آیت وَادخلی جنّتی اس پر شاہد ہے۔ کیونکہ مجرد روح بہشت میں داخل ہونے کے لائق نہیں۔ پس اس میں حضرت عیسیٰ کی کوئی خصوصیت نہیں۔ ہاں عیسائیوں کی یہ غلطی ہے کہ جو عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ جلالی جسم صلیبی موت کے بعد حضرت عیسیٰ کو ملا تھا۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ صلیب پر ہرگز نہیں مرے ورنہ وہ نعوذ باللہ اپنے لئے یونس نبی کی مثال پیش کرنے میں دروغ گو ٹھہرتے ہیں اور نیز لعنت کے مفہوم کے مصداق بنتے ہیں۔ کیونکہ ملعون وہ ہوتا ہے جس کا دل شیطان کی طرح خدا سے برگشتہ ہو جائے اور وہ خدا کا دشمن اور خدا اس کا دشمن ہو جائے اور شیطان کی طرح راندہ درگاہ الٰہی ہو کر خدا کا سرکش ہو جائے تو کیا ہم یہ مفہوم حضرت عیسیٰؑ کی نسبت تجویز کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اور کیا کوئی عیسائی یہ گستاخی کر سکتا ہے کہ صلیب پانے کے بعد حضرت عیسیٰ خدا سے برگشتہ ہو گئے تھے اور
شیطان سے تعلقات پیدا کر لئے تھے۔ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے لعنت کا یہی مفہوم قرار دیا ﴿۲۱۶﴾
گیا ہے جس پر تمام قوموں کو اتفاق ہے۔ مگر افسوس عیسائیوں نے کبھی اس مفہوم پر غور نہیں کی ورنہ ہزار بیزاری سے اس مذہب کو ترک کرتے۔ ماسوا اس کے جن واقعات کو انجیلوں نے پیش کیا ہے اُن سے ظاہر ہے کہ صلیب سے رہائی پانے کے بعد صرف خاکی جسم حضرت عیسیٰ کا مشاہدہ کیا گیا

سچا مومن یہ گستاخی کا کلمہ زبان پر لاسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو ابھی تک بہشت سے باہر ہیں جن کے روضہ کے نیچے بہشت ہے مگر وہ لوگ جنہوں نے آپ کے ذریعہ سے ایمان اور تقویٰ کا مرتبہ حاصل کیا وہ شہید ہونے کی وجہ سے بہشت میں داخل ہیں اور بہشتی میوے کھارہے ہیں بلکہ حق یہ ہے کہ جس نے خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان کو وقف کر دیا وہ شہید ہو چکا۔ پس اس صورت میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اوّل الشہداء ہیں۔ سو جب کہ یہ بات ثابت ہے تو ہم بھی کہتے ہیں کہ مسیح بھی مع جسم آسمان پر اٹھایا گیا (مگر اُس جسم کے ساتھ جو اس عنصری جسم سے الگ ہے)* اور پھر خدا تعالیٰ کے بندوں میں داخل ہوا اور بہشت میں داخل ہوا۔ ﴿۲۱۵﴾ اس صورت میں ہماری اور ہمارے مخالفوں کی نزاع صرف لفظی نزاع نکلی۔ اب جب کہ اس صورت پر رفع مع جسم ثابت ہوا تو اس کے بعد کیا ضرورت اور حاجت ہے کہ ایک مسلّم سنت اللہ سے جو تمام انبیاء کی نسبت ایک پاک جسم عطا کرنے کی ہے منہ پھیر کر حضرت عیسیٰ کو مع خاکی جسم کے آسمان پر اٹھایا جائے اور اگر یہ اعتقاد ہو کہ ان کو بھی بعد موت ایک نورانی جسم ملا تھا جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت یحییٰؑ وغیرہ انبیاء کو جسم ملا تھا اور اُسی جسم کے ساتھ وہ خدا تعالیٰ کی طرف اٹھائے گئے تھے تو ہم کب اس سے انکار کرتے ہیں۔ اس قسم کے جسم کے ساتھ حضرت مسیحؑ کا آسمان پر جانا ہمیں بدل وجان منظور ہے۔ ع چشم ماروشن ودلِ ماشاد۔

اور اگرچہ آیات ممدوحہ بالا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر نصوصِ صریحہ قطعیہ ہیں مگر تاہم اگر قرآن شریف کو غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اور بھی بہت سی ایسی آیات ہیں

*حاشیہ: جیسا کہ جب دھوما حواری نے شک کیا کہ کیونکر عیسیٰ صلیب سے رہائی پا کر آ گیا تو حضرت عیسیٰ نے ثبوت دینے کے لئے اپنے زخم اس کو دکھلائے اور دھوما نے اُن زخموں میں انگلی ڈالی۔ پس کیا ممکن ہے کہ جلالی جسم میں بھی زخم موجود رہے اور کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ جلالی جسم بھی ملا پھر بھی زخموں سے رہائی نہ ہوئی بلکہ جلالی جسم وہ تھا جو کشمیر میں وفات پانے کے بعد ملا۔ منہ

جن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ منجملہ ان کے یہ آیت ہے۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ[1] یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم محض ایک رسول ہیں اور ان سے پہلے سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔ پس کیا اگر وہ فوت ہو گئے یا قتل کئے گئے تو تم دین اسلام کو چھوڑ دو گے۔ اور جیسا کہ ابھی میں بیان کر چکا ہوں یہ صحیح نہیں ہے کہ خلت کا لفظ اور تمام نبیوں کے لئے تو وفات دینے کے لئے آتا ہے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ان معنوں پر آتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو مع جسم عنصری آسمان پر اٹھا لیا۔ یہ دعویٰ سراسر بے دلیل ہے۔ اس پر کوئی دلیل پیش نہیں کی گئی بلکہ جہاں جہاں قرآن شریف میں خلت کا لفظ آیا ہے وفات کے معنوں پر ہی آیا ہے اور کوئی شخص قرآن شریف سے ایک بھی ایسی نظیر پیش نہیں کر سکتا کہ ان معنوں پر آیا ہو کہ کوئی شخص مع جسم عنصری آسمان پر اٹھایا گیا۔ ماسوا اس کے جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں خدا تعالیٰ نے انہیں آیات میں خلت کے لفظ کی خود تشریح فرما دی ہے اور خلت کے مفہوم کو ﴿۲۱۶﴾
صرف موت اور قتل میں محدود کر دیا ہے۔ یہی آیت شریفہ ہے جس کی رو سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اجماع ہو گیا تھا کہ تمام نبی اور رسول فوت ہو چکے ہیں اور کوئی ان میں سے دنیا میں واپس آنے والا نہیں بلکہ اس اجماع کی اصل غرض یہی تھی کہ دنیا میں واپس آنا کسی کے لئے ممکن نہیں اور اس اجماع سے اس خیال کا ازالہ مطلوب تھا کہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں آیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر دنیا میں واپس آئیں گے اور منافقوں کے ناک اور کان کاٹیں گے۔ اِس صورت میں ظاہر ہے کہ اگر اسلام میں کسی نبی کا دنیا میں واپس آنا تسلیم کیا جاتا تو اس آیت کے پڑھنے سے حضرت عمرؓ کے خیال کا ازالہ غیر ممکن ہوتا اور ایسی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی کسرِ شان تھی بلکہ ایسی صورت میں حضرت ابو بکر کا اس آیت کو پڑھنا ہی بے محل تھا۔ غرض یہ آیت بھی وہ عالی شان آیت ہے کہ جو

[1] ال عمران: ۱۴۵

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا بلند آواز سے اعلان کرتی ہے۔ **فالحمد للّٰہ علیٰ ذالک۔**

پھر ایک اور آیت ہے جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ [1] الجزو نمبر ۶ غ یعنی عیسیٰ مسیح ایک رسول ہے۔ پہلے اُس سے سب رسول فوت ہو چکے ہیں اور ماں اس کی ایک عورت راستباز تھی اور دونوں جب زندہ تھے روٹی کھایا کرتے تھے۔

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدائی کا ابطال کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ پہلے اس سے سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔ اور پھر باوجود اس کے یہ خیال کہ مسیح زندہ آسمان پر بیٹھا ہے باطل ہے۔ پس کس طرح اس دلیل سے اس کی خدائی ثابت کی جاتی ہے کیونکہ یہ دلیل ہی فاسد ہے بلکہ حق یہ ہے کہ موت نے کسی کو نہیں چھوڑا سب مر گئے۔ دوسری دلیل اس کی عبودیت پر یہ ہے کہ اس کی ماں تھی جس سے وہ پیدا ہوا اور خدا کی کوئی ماں نہیں۔ ﴿۲۱۷﴾
تیسری دلیل اس کی عبودیت پر یہ ہے کہ جب وہ اور اس کی ماں زندہ تھے دونوں روٹی کھایا کرتے تھے۔ اور خدا روٹی کھانے سے پاک ہے۔ یعنی روٹی بدل ما یتحلّل ہوتی ہے اور خدا اس سے بلند تر ہے کہ اس میں تحلیل پانے کی صفت ہو۔ مگر مسیح روٹی کھاتا رہتا تھا۔ پس اگر وہ خدا ہے تو کیا خدا کا وجود بھی تحلیل پاتا رہتا ہے؟ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ طبعی تحقیقات کی رو سے انسان کا بدن تین برس تک بالکل بدل جاتا ہے اور پہلے اجزاء تحلیل ہو کر دوسرے اجزاء ان کے قائم مقام پیدا ہو جاتے ہیں مگر خدا میں یہ نقص ہرگز نہیں۔ یہ دلیل ہے جس کو خدا تعالیٰ حضرت عیسیٰ کے انسان ہونے پر لایا ہے۔

مگر افسوس ان لوگوں پر کہ جو حضرت عیسیٰ کو آسمان پر پہنچا کر پھر اعتقاد رکھتے ہیں کہ اُن کے وجود میں انسانوں کی طرح یہ خاصیت نہیں کہ سلسلہ تحلیل کا ان میں جاری رہے اور بغیر اس کے جو بذریعہ غذا بدل ما یتحلّل اُن کو ملتا ہو اُن کا وجود فنا سے بچا ہوا ہوگا

[1] المآئدة:۷۶

اِس طرح پر وہ خدا کی اس برہان اور دلیل کو توڑنا چاہتے ہیں جو آیت ممدوحہ بالا میں اس نے قائم کی ہے یعنی خدا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انسان ہونے کی یہ دلیل دیتا ہے کہ اور انسانوں کی طرح وہ بھی محتاج غذا تھا اور بغیر غذا کے اس کا بدن قائم نہیں رہ سکتا تھا بلکہ بدل ما یتحلّل کی ضرورت تھی۔ لیکن یہ لوگ جو حضرت عیسیٰ کو مع جسم عنصری آسمان پر پہنچاتے ہیں وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کا وجود بغیر غذا کے قائم رہ سکتا ہے تو گویا وہ برخلاف منشاء اللہ تعالیٰ کے حضرت عیسیٰ کی خدائی کی ایک دلیل پیش کرتے ہیں۔ شرم کی جگہ ہے کہ جس دلیل کو خدا نے اس غرض سے پیش کیا ہے کہ تا حضرت عیسیٰ کی انسانیت ثابت ہو یہ لوگ اُس دلیل کی بے عزتی کرتے ہیں کیونکہ جس بات سے خدا تعالیٰ انکار کرتا ہے کہ وہ بات مسیح میں موجود نہیں تا اس کو خدا ٹھہرایا جائے یہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ بات اُس میں موجود ہے پس یہ خدا کی اس حجت کاملہ کی بے عزتی ہے جو حضرت عیسیٰ کے انسان ہونے کے لئے وہ پیش کرتا ہے۔ اگر یہ بات سچ ہے کہ حضرت عیسیٰ باوجود جسم عنصری کے روٹی کھانے کے محتاج نہیں اور ان کا بدن خدا کے وجود کی ﴿۲۱۸﴾
طرح خود بخود قائم رہ سکتا ہے تو یہ تو اُن کی خدائی کی ایک دلیل ہے جو قدیم سے عیسائی پیش کیا کرتے ہیں اور اس کے جواب میں یہ کہنا کافی نہیں کہ زمین پر تو وہ روٹی کھایا کرتے تھے گو وہ آسمان پر نہیں کھاتے کیونکہ مخالف کہہ سکتا ہے کہ زمین پر وہ محض اپنے اختیار سے کھاتے تھے انسانوں کی طرح روٹی کے محتاج نہ تھے اور اگر محتاج ہوتے تو آسمان پر بھی ضرور محتاج ہوتے مجھے بار بار اس قوم پر افسوس آتا ہے کہ خدا تو حضرت مسیح کا روٹی کھانا ان کی انسانیت پر دلیل لاوے اور یہ لوگ اعتقاد رکھیں کہ گو حضرت مسیح نے زمین پر تیس[۳۰] برس تک روٹی کھائی مگر آسمان پر اُنیس سو[۱۹۰۰] برس سے بغیر روٹی کھانے کے جیتے ہیں۔

اور پھر ایک اور دلیل حضرت عیسیٰ کی وفات پر قرآن شریف کی یہ آیت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ[1] ☆ (ترجمہ) تم (اے بنی آدم) زمین میں ہی زندگی بسر کرو گے اور زمین میں ہی مرو گے اور زمین میں سے ہی نکالے جاؤ گے۔ پس باوجود اس قدر نص صریح کے کیونکر ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بجائے زمین پر رہنے کے قریباً دو ہزار برس یا اس سے بھی زیادہ کسی نامعلوم مدت تک آسمان پر رہیں ایسی صورت میں تو قرآن شریف کا ابطال لازم آتا ہے۔

اور پھر ایک اور دلیل حضرت عیسیٰ کی وفات پر قرآن شریف کی یہ آیت ہے۔ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ[2] (ترجمہ) اور تمہاری قرار گاہ زمین ہی ہوگی اور موت کے دنوں تک تم زمین پر ہی اپنے آرام کی چیزیں حاصل کرو گے۔ یہ آیت بھی آیت ممدوحہ بالا کے ہم معنے ہے۔ پس کس طرح ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ زمین پر جو انسانوں کے رہنے کی جگہ ہے صرف تینتیس ۳۳ برس تک زندگی بسر کریں مگر آسمان پر جو انسانوں کے رہنے کی جگہ نہیں دو ۲ ہزار برس تک یا اس سے بھی زیادہ کسی نامعلوم مدت تک سکونت اختیار کر رکھیں۔ اس سے تو

☆ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں حضرت عیسیٰ کا خود اپنا ایک اقرار ہے جو ان کی وفات پر شاہد ہے کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے اس سوال کے جواب میں کہ اے عیسیٰ کیا تو نے ہی لوگوں کو تعلیم دی تھی کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا کر کے مانو یہ جواب دیتے ہیں جو قرآن شریف میں مندرج ہے یعنی یہ آیت وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ[3] یعنی میں تو اسی زمانہ تک ان پر گواہ تھا جب میں ان کے درمیان تھا اور جب تو نے مجھے وفات دے دی تو پھر ان کا محافظ تو ہی تھا۔ اس جواب میں حضرت عیسیٰ عیسائیوں کی ہدایت کو اپنی زندگی سے وابستہ کرتے ہیں۔ پس اگر حضرت عیسیٰ اب تک زندہ ہیں تو اس سے لازم آتا ہے کہ عیسائی بھی حق پر ہیں اور اس آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ قبل از قیامت دوبارہ دنیا میں نہیں آئیں گے ورنہ نعوذ باللہ یہ لازم آتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے سامنے جھوٹ بولیں گے کہ مجھے اپنی امت کے بگڑنے کی کچھ بھی اطلاع نہیں۔ منہ

[1] الاعراف:۲۶ [2] البقرۃ:۳۷ [3] المآئدۃ:۱۱۸

شبہ پڑے گا کہ وہ انسان نہیں ہیں۔ خاص کر اس صورت میں کہ ایسے فوق الانسانیت خواص دکھلانے میں کوئی دوسرا انسان ان کا شریک نہیں۔ ﴿۲۱۹﴾

اور پھر ایک اور دلیل حضرت عیسیٰ کی وفات پر قرآن شریف کی یہ آیت ہے۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً [1] (ترجمہ) یعنی خدا وہ خدا ہے جس نے تمہیں ضعف سے پیدا کیا پھر ضعف کے بعد قوت دے دی۔ پھر قوت کے بعد ضعف اور پیرانہ سالی دی۔ اب ظاہر ہے کہ یہ آیت تمام انسانوں کے لئے ہے یہاں تک کہ تمام انبیاء علیھم السّلام اس میں داخل ہیں۔ اور خود ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو نبیوں کے سردار ہیں وہ بھی اس سے باہر نہیں۔ آپ پر بھی پیرانہ سالی کے علامات ظاہر ہو گئے تھے اور چند بال سفید ریش مبارک میں آ گئے تھے۔ اور آپ خود اپنی آخری عمر میں آثار پیرانہ سالی کے ضعف کے اپنے اندر محسوس کرتے تھے۔ لیکن بقول ہمارے مخالفین کے حضرت عیسیٰ اس سے بھی باہر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ ایک خصوصیت ان کی ہے جو فوق العادت ہے اور یہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدائی پر ایک دلیل ہے۔ پس حضرت عیسیٰؑ کی خدائی پر صرف ایک دلیل نہیں بلکہ پانچ[5] دلیلیں ہیں جو بزعم نصاریٰ اور عقیدہ ہماری قوم کے مخالفوں کے اس جگہ موجود ہیں جن کا ابطال بغیر اُس خصوصیت کے توڑنے کے ممکن نہیں کیونکہ جس حالت میں حضرت عیسیٰ ہی اپنی ذات میں یہ خصوصیت رکھتے ہیں کہ وہ مع جسم عنصری آسمان پر چلے گئے کوئی دوسرا انسان ان کا شریک نہیں۔ اور پھر دوسری[2] یہ خصوصیت بھی رکھتے ہیں کہ صد ہا سال تک بغیر آب و دانہ کے آسمان پر زندہ رہنے والے وہی ٹھہرے جس میں ان کا کوئی دوسرا انسان شریک نہیں۔ اور پھر تیسری[3] یہ خصوصیت رکھتے ہیں کہ آسمان پر اتنی مدت تک پیرانہ سالی اور ضعف سے محفوظ رہنے والے وہی ٹھہرے جس میں ان کا کوئی آدمی شریک نہیں۔ اور پھر چوتھی[4] یہ خصوصیت رکھتے ہیں کہ مدت دراز کے بعد آسمان سے مع ملائک نازل ہونے والے وہی ٹھہرے جس میں ان کا ایک بشر بھی شریک نہیں۔ اب سوچنا چاہیے کہ یہ چار[4] خصوصیتیں جو محض ان کی ذات میں تسلیم کی جاتی ہیں

[1] الرّوم:۵۵

اوران میں وہ وحدہٗ لا شریک خیال کئے جاتے ہیں۔ کس قدر یہ عقیدہ لوگوں کے لئے موجب ابتلا ہوسکتا ہے☆۔ اور خدا بنانے والوں کے لئے کس قدر وجوہات ملتے ہیں جو خود مسلمانوں ﴿۲۲۰﴾ کے اقرار سے ثابت شدہ امور ہیں۔ پس اگر خدا نے حضرت عیسیٰ کو وفات شدہ قرار دے کر ان تمام

☆ ماسوا اس کے ہمارے مخالف مسلمان بدقسمتی اور جہالت کی وجہ سے ایک پانچویں خصوصیت بھی حضرت عیسیٰ کے لئے قائم کرتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ تمام انبیاء میں سے مس شیطان سے بھی وہی پاک ہیں اور کوئی نبی پاک نہیں۔ اور پھر چھٹی خصوصیت یہ کہ روح القدس ہمیشہ ان کے ساتھ رہتا تھا مگر کسی دوسرے نبی کے ساتھ ایسی دائمی رفاقت روح القدس نے نہیں کی مگر یہ ان لوگوں کی تمام غلطیاں ہیں۔ وہ نہیں سمجھتے کہ ہر ایک نبی مسِ شیطان سے پاک ہوتا ہے لیکن خدا نے جو اس جگہ اپنے رسول کے فرمودہ کے ذریعہ سے حضرت عیسیٰ کا مع اس کی والدہ کے مسِ شیطان سے پاک ہونا ذکر فرمایا اس میں حکمت یہ ہے کہ نعوذ باللہ یہود نامسعود حضرت مریم صدیقہ کو ایک زانیہ عورت خیال کرتے تھے اور حضرت عیسیٰ کو ایک ولد الزنا سمجھتے تھے اور خدا تعالیٰ کو منظور تھا کہ ان الزاموں سے ان کی بریت کرے۔ پس اس طرح اس نے ان کی بریت کی کہ آنحضرتؐ نے فرمادیا کہ وہ دونوں مس شیطان سے پاک ہیں یعنی زنا ایک شیطانی فعل ہے اور عیسیٰ اور مریم اس شیطانی فعل سے محفوظ ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ صرف وہ محفوظ ہیں اور دوسرے نبی آلودہ ہیں۔ اسی طرح یہودیوں کا خیال تھا کہ بوجہ ناجائز ولادت کے حضرت عیسیٰ کا رفیق شیطان ہے اور یہی ﴿۲۲۱﴾ توریت کی رو سے ان کا عقیدہ تھا۔ پس اُن کے ردّ میں روح القدس کی رفاقت بیان فرمائی گئی اور یہ بھی صحیح نہیں کہ عیسیٰ میں ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ ان کا تولّد روح القدس کے سایہ سے ہوا کیونکہ قرآن شریف اور توریت کی رو سے یہ بات قرار پاچکی ہے کہ بعض انسان شیطان کے سایہ سے پیدا ہوتے ہیں اور ان میں شیطانی خصلتیں ہوتی ہیں اور بعض انسان روح القدس کے سایہ سے پیدا ہوتے ہیں اور ان میں پاک خصلتیں ہوتی ہیں اور وہ لوگ جو ولد الحرام ہوں وہ شیطان کے سایہ سے ہی رحم مادر میں وجود پکڑتے ہیں۔ پس اس بات کا رد کرنا ضروری تھا کہ حضرت عیسیٰ کی ولادت ناجائز نہیں۔ لہٰذا اُس کی نسبت روح القدس کے سایہ کا انجیل میں بھی ذکر کیا گیا تا معلوم ہو کہ وہ شیطان کے سایہ سے پیدا نہیں ہوئے اور ان کی ولادت ناجائز نہیں۔ منہ

خصوصیتوں کو رد نہیں کر دیا تو پھر دوسرا طریق رد کا یہ تھا کہ خدا تعالیٰ چند ایسی نظیریں پیش کرتا جس سے معلوم ہوتا کہ ان خوارق میں بعض اور انسان بھی اس کے شریک ہیں۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے بے پدر ہونے میں حضرت آدمؑ کی نظیر پیش کر دی تھی۔ مگر جب کہ خدا تعالیٰ نے نہ حضرت عیسیٰ کو فوت شدہ قرار دیا اور نہ ان تمام خصوصیتوں کو توڑا تو اس صورت میں گویا خدا تعالیٰ عیسائیوں کی حجت کے سامنے لاجواب ہو گیا۔ اور اگر کہو کہ ہم یہ بھی تو کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ آخری زمانہ میں آ کر ایک مدت کے بعد فوت ہو جائیں گے تو اس بات کو عیسائی قبول نہیں کرتے۔ وہ تمہارے اقرارات سے تمہیں ملزم کرتے ہیں۔ اور ان پر واجب نہیں ہے کہ تمہارے دعویٰ بے دلیل کو مان لیں۔ کیونکہ جب حضرت عیسیٰ قیامت کے دن تک زندہ رہیں اور سب خدائی کی علامتیں احیاء موتےٰ وغیرہ ان میں موجود ہوں تو ممکن ہے کہ موت سے بچ رہیں اور عیسائیوں کا تو یہی عقیدہ ہے کہ وہ آسمان سے نازل ہو کر نہیں مریں گے بلکہ بحیثیت خدا ہونے کے لوگوں کو جزا سزا دیں گے۔ اور جس حالت میں تمہارے اپنے اقرار سے یہ چار ۴ خصوصیتیں حضرت عیسیٰ میں ثابت ہیں تو عیسائی تو اس صورت میں آپ لوگوں پر سوار ہو جائیں گے کیونکہ ان کے نزدیک یہ چار ۴ خصوصیتیں حضرت عیسیٰ کے خدا بنانے کے لئے کافی ہیں اور خدا تعالیٰ کی مصلحت سے بعید ہے کہ وہ ایسے شخص کو یہ چار ۴ خصوصیتیں عطا کرے جس کو چالیس کروڑ انسان خدا بنا رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عیسائیوں نے ﴿۲۲۱﴾
حضرت عیسیٰ کی خصوصیت کے بارے میں صرف ایک بات پیش کی تھی کہ وہ بغیر باپ پیدا ہوا ہے تو خدا تعالیٰ نے فی الفور اس کا جواب دیا اور فرمایا۔ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ [1] یعنی خدا تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی مثال ہے خدا نے اس کو مٹی سے بنایا پھر کہا کہ ہو جا پس وہ زندہ جیتا جاگتا ہو گیا۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام کا بے باپ ہونا کوئی امر خاص اس کے لئے نہیں تا خدا ہونا اس کا لازم لاوے۔ آدم کے باپ اور ماں دونوں نہیں۔ پس جس حالت میں خدا تعالیٰ

[1] ال عمران: ۶۰

﴿۲۲۲﴾ کی غیرت نے یہ تقاضا کیا کہ حضرت عیسیٰ میں بے پدر ہونے کی خصوصیت نہ رہے تا ان کی خدائی کے لئے کوئی دلیل نہ ٹھہرائی جائے۔ تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ میں چار فوق العادت خصوصیتیں قبول کر لی ہوں۔ ہاں اگر خدا نے ان خصوصیتوں کے توڑنے کے لئے کچھ نظیریں پیش کی ہیں تو وہ نظیریں پیش کرنی چاہییں ورنہ ماننا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ عیسائیوں کے دعوے کا جواب نہیں دے سکا کیونکہ یہ بھی ایسی خصوصیتیں ہیں جو عیسائی پیش کیا کرتے ہیں اور ان خصوصیتوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدائی کی دلیل ٹھہراتے ہیں۔ پس جب کہ خدا تعالیٰ نے ان چار خصوصیتوں کو آدم کی پیدائش کی طرح کوئی نظیر پیش کر کے نہیں توڑا تو اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے عیسائیوں کے دعوے کو مان لیا ہے۔ اور اگر توڑا ہے اور ان چار خصوصیتوں کی کوئی نظیر پیش کی ہے تو قرآن شریف میں سے وہ آیات پیش کرو۔

اور منجملہ ان آیات کے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر صریح دلالت کرتی ہیں یہ آیت قرآن شریف کی ہے۔ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۔ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ[1]۔ یعنی جو لوگ بغیر اللہ کے پرستش کئے جاتے ہیں وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے بلکہ آپ پیدا شدہ ہیں اور وہ سب لوگ مر چکے ہیں زندہ نہیں ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔ پس اس مقام پر غور سے دیکھنا چاہیے کہ یہ آیتیں کس قدر صراحت سے حضرت مسیح اور ان تمام انسانوں کی وفات کو ظاہر کر رہی ہیں جن کو یہود اور نصاریٰ اور بعض فرقے عرب کے اپنے معبود ٹھہراتے تھے۔ اور ان سے دعائیں مانگتے تھے۔ یاد رکھو کہ یہ خدا کا بیان ہے اور خدا تعالیٰ اس بات سے پاک اور بلند تر ہے کہ خلاف واقعہ باتیں کہے۔ پس جس حالت میں وہ صاف اور صریح لفظوں میں فرماتا ہے کہ جس قدر انسان مختلف فرقوں میں پوجا کئے جاتے ہیں اور خدا بنائے گئے ہیں وہ سب مر چکے ہیں ایک بھی ان میں سے زندہ نہیں ہے۔ تو پھر کس قدر سرکشی اور نافرمانی اور خدا کے حکم کی مخالفت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ سمجھا جائے۔ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ﴿۲۲۳﴾

[1] النحل: ۲۱، ۲۲

اُن لوگوں میں سے نہیں ہیں جن کو خدا بنایا گیا ہے یا جن کو اپنی مشکل کشائی کے لئے پکارا جاتا ہے بلکہ وہ ان سب لوگوں میں سے اوّل نمبر پر ہیں کیونکہ جس اصرار اور غلو کے ساتھ حضرت عیسیٰ کے خدا بنانے کے لئے چالیس کروڑ انسان کوشش کر رہا ہے اس کی نظیر کسی اور فرقہ میں ہرگز نہیں پائی جاتی۔

یہ تمام آیات جو ہم نے اس جگہ لکھی ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔ اور پھر جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث طیبہ کی طرف دیکھتے ہیں تو ان سے بھی یہی مطلب ثابت ہوتا ہے صرف فرق یہ ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے اقوال سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر گواہی دیتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رؤیت سے حضرت مسیح کی موت پر شہادت دیتے ہیں۔ سو خدا تعالیٰ نے اپنے قول سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل سے یعنی رؤیت سے اس بات پر مہر لگا دی کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو چکے ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رؤیت سے یہ گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے معراج کی رات میں حضرت عیسیٰ کو آسمان پر ان گذشتہ نبیوں میں دیکھا ہے جو اس دنیا سے گذر چکے ہیں اور دوسرے عالم میں پہنچ گئے ہیں اور صرف اِسی قدر نہیں بلکہ جس قسم کے دوسرے انبیاء علیہم السلام کے جسم دیکھے اسی قسم کا جسم حضرت عیسیٰ کا دیکھا اور ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ایسا سمجھنا غلطی ہے کہ پہلے انبیاء علیہم السلام جو اِس دنیا سے گذر چکے ہیں اُن کی صرف آسمان پر روحیں ہیں بلکہ ان کے ساتھ نورانی اور جلالی اجسام ہیں جن اجسام کے ساتھ وہ مرنے کے بعد دنیا میں سے اٹھائے گئے جیسا کہ آیت وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ[1] اس بات پر نص صریح ہے کیونکہ بہشت میں داخل ہونے کے لئے جسم کی ضرورت ہے اور قرآن شریف جابجا تصریح سے فرماتا ہے کہ جو لوگ بہشت میں داخل ہوں گے ان کے ساتھ جسم بھی ہوں گے کوئی مجرد روح بہشت میں داخل نہیں ہوگی۔ پس آیت وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ[1] اس بات کے لئے نص صریح ہے کہ ہر ایک راستباز جو مرنے کے بعد بہشت میں داخل ہوتا ہے اس کو مرنے کے بعد ضرور ایک جسم ملتا ہے پھر دوسری شہادت جسم ملنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت ہے کیونکہ آپ نے معراج کی رات میں آسمان میں صرف انبیاء کی روحیں نہیں دیکھیں ﴿۲۲۴﴾ بلکہ ان کے اجسام بھی دیکھے۔ اور حضرت مسیح کا کوئی نرالا جسم نہیں دیکھا بلکہ جیسے تمام انبیاء کے جسم دیکھے

[1] الفجر: ۳۱

ویسا ہی حضرت مسیح کا بھی جسم دیکھا۔ پس اگر انسان ناحق باطل پرستی پر ضد نہ کرے تو اس کے لئے اس بات کا سمجھنا بہت ہی سہل ہے کہ حضرت عیسیٰ جس جسم کے ساتھ اٹھائے گئے وہ عنصری جسم نہ تھا بلکہ وہ جسم تھا جو مرنے کے بعد ہر ایک مومن کو ملتا ہے۔ کیونکہ عنصری جسم کے لئے خود اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے کہ وہ آسمان پر جاوے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا[1]۔ ترجمہ۔ یعنی کیا ہم نے زمین کو ایسے طور سے نہیں بنایا کہ وہ انسانوں کے اجسام کو زندہ اور مردہ ہونے کی حالت میں اپنی طرف کھینچ رہی ہے کسی جسم کو نہیں چھوڑتی کہ وہ آسمان پر جاوے۔

اور پھر دوسری جگہ فرماتا ہے قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا[2]۔ یعنی جب کافروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آسمان پر چڑھنے کی درخواست کی کہ یہ معجزہ دکھلاویں کہ مع جسم عنصری آسمان پر چڑھ جائیں تو ان کو یہ جواب ملا کہ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ الخ۔ یعنی ان کو کہہ دے کہ میرا خدا اس بات سے پاک ہے کہ اپنے عہد اور وعدہ کے برخلاف کرے۔ وہ پہلے کہہ چکا ہے کہ کوئی جسم عنصری آسمان پر نہیں جائے گا۔ جیسا کہ فرمایا۔ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا[3] اور جیسا کہ فرمایا فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ[4] اور جیسا کہ فرمایا وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ[5]۔ پس یہ عرب کے کفار کی شرارت تھی کہ وہ لوگ برخلاف وعدہ و عہد الٰہی معجزہ مانگتے تھے اور خوب جانتے تھے کہ ایسا معجزہ دکھایا نہیں جائے گا کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کے اس قول کے برخلاف ہے جو گذر چکا ہے۔ اور خدا تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ اپنے عہد کو توڑے۔ اور پھر فرمایا کہ ان کو کہہ دے کہ میں تو ایک بشر ہوں اور خدا تعالیٰ فرما چکا ہے کہ بشر کے لئے ممتنع ہے کہ اس کا جسم خاکی آسمان پر جائے ہاں پاک لوگ دوسرے جسم کے ساتھ آسمان پر جا سکتے ہیں جیسا ﴿۲۲۵﴾
کہ تمام نبیوں اور رسولوں اور مومنوں کی روحیں وفات کے بعد آسمان پر جاتی ہیں اور انہیں کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مُفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ[6]۔ یعنی مومنوں کے لئے آسمان کے

[1] المرسلٰت: ۲۶۔۲۷ [2] بنی اسرآئیل: ۹۴ [3] المرسلٰت: ۲۶، ۲۷ [4] الاعراف: ۲۶
[5] الاعراف: ۲۵ [6] صٓ: ۵۱

دروازے کھولے جائیں گے۔ یادرہے کہ اگر صرف روحیں ہوتیں تو اُن کے لئے لھم کی ضمیر نہ آتی۔ پس یہ قرینہ قویہ اس بات پر ہے کہ بعد موت جو مومنوں کا رفع ہوتا ہے وہ مع جسم ہوتا ہے مگر یہ جسم خاکی نہیں ہے بلکہ مومن کی روح کو ایک اور جسم ملتا ہے جو پاک اور نورانی ہوتا ہے اور اس دکھ اور عیب سے محفوظ ہوتا ہے جو عنصری جسم کے لوازم میں سے ہے یعنی وہ ارضی غذاؤں کا محتاج نہیں ہوتا۔ اور نہ زمینی پانی کا حاجت مند ہوتا ہے اور وہ تمام لوگ جن کو خدا تعالیٰ کی ہمسائیگی میں جگہ دی جاتی ہے ایسا ہی جسم پاتے ہیں۔ اور ہم ایمان رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ نے بھی وفات کے بعد ایسا ہی جسم پایا تھا اور اسی جسم کے ساتھ وہ خدا تعالیٰ کی طرف اٹھائے گئے تھے۔

بعض نادان اس جگہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جس حالت میں قرآن شریف کی یہ آیت کہ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ اور آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ[1] صاف طور پر بتلا رہی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے حضور میں یہ عذر پیش کریں گے کہ میری وفات کے بعد لوگ بگڑے ہیں نہ میری زندگی میں تو اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر یہ عقیدہ صحیح ہے کہ حضرت عیسیٰ صلیب سے بچ کر کشمیر کی طرف چلے گئے تھے اور کشمیر میں ۸۷ برس عمر بسر کی تھی تو پھر یہ کہنا کہ میری وفات کے بعد لوگ بگڑ گئے صحیح نہیں ہوگا بلکہ یہ کہنا چاہیے تھا کہ میرے کشمیر کے سفر کے بعد بگڑے ہیں کیونکہ وفات تو صلیب کے واقعہ سے ستاسی(۸۷) برس بعد ہوئی۔

پس یادرہے کہ ایسا وسوسہ صرف قلت تدبّر کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے ورنہ کشمیر کا سفر اس فقرہ کی ضد نہیں کیونکہ مادمت فیھم کے یہ معنے ہیں کہ جب تک میں اپنی امت میں تھا جو میرے پر ایمان لائے تھے یہ معنے نہیں کہ جب تک میں اُن کی زمین میں تھا کیونکہ ہم قبول کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ زمین شام میں سے ہجرت کر کے کشمیر کی طرف چلے گئے تھے مگر ﴿۲۲۶﴾
ہم یہ قبول نہیں کرتے کہ حضرت عیسیٰ کی والدہ اور آپ کے حواری پیچھے رہ گئے تھے بلکہ تاریخ کی رو سے ثابت ہے کہ حواری بھی کچھ تو حضرت عیسیٰ کے ساتھ اور کچھ بعد میں آپ کو آملے تھے جیسا کہ دھوما حواری حضرت عیسیٰ کے ساتھ آیا تھا باقی حواری بعد میں آ گئے تھے

[1] المآئدۃ:۱۱۸

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی رفاقت کے لئے صرف ایک ہی شخص اختیار کیا تھا یعنی دھوما کو جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے وقت صرف حضرت ابوبکر کو اختیار کیا تھا۔ کیونکہ سلطنت رومی حضرت عیسیٰ کو باغی قرار دے چکی تھی اور اسی جرم سے پیلاطوس بھی قیصر کے حکم سے قتل کیا گیا تھا کیونکہ وہ در پردہ حضرت عیسیٰ کا حامی تھا اور اس کی عورت بھی حضرت عیسیٰ کی مرید تھی۔ پس ضرور تھا کہ حضرت عیسیٰ اس ملک سے پوشیدہ طور پر نکلتے کوئی قافلہ ساتھ نہ لیتے اس لئے انہوں نے اس سفر میں صرف دھوما حواری کو ساتھ لیا جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے سفر میں صرف ابوبکر کو ساتھ لیا تھا اور جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی اصحاب مختلف راہوں سے مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا پہنچے تھے۔ ایسا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری مختلف راہوں سے مختلف وقتوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں جا پہنچے تھے۔ اور جب تک حضرت عیسیٰ ان میں رہے جیسا کہ آیت مَا دُمْتُ فِيهِمْ[1] کا منشاء ہے وہ سب لوگ توحید پر قائم رہے بعد وفات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان لوگوں کی اولاد بگڑ گئی۔ یہ معلوم نہیں کہ کس پشت میں یہ خرابی پیدا ہوئی۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ تیسری صدی تک دین عیسائی اپنی اصلیت پر تھا بہر حال معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی وفات کے بعد وہ تمام لوگ پھر اپنے وطن کی طرف چلے آئے کیونکہ ایسا اتفاق ہو گیا کہ قیصر روم عیسائی ہو گیا پھر بے وطنی میں رہنا لاحاصل تھا۔

اور اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کشمیر کی طرف سفر کرنا ایسا امر نہیں ہے کہ جو بے دلیل ہو، بلکہ بڑے بڑے دلائل سے یہ امر ثابت کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ خود لفظ کشمیر بھی اس پر دلیل ہے کیونکہ لفظ کشمیر وہ لفظ ہے جس کو کشمیری زبان ﴿۲۲۷﴾ میں کشیر کہتے ہیں۔ ہر ایک کشمیری اس کو کشیر بولتا ہے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہ لفظ عبرانی ہے کہ جو کاف اور اشیر کے لفظ سے مرکب ہے اور اشیر عبرانی زبان میں شام کے ملک کو کہتے ہیں اور کاف مماثلت کے لئے آتا ہے۔ پس صورت اس لفظ کی کَاشِیُر تھی

[1] المآئدۃ: ۱۱۸

یعنی کاف الگ اور اَشِیر الگ۔ جس کے معنے تھے مانند ملک شام یعنی شام کے ملک کی طرح اور چونکہ یہ ملک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہجرت گاہ تھا اور وہ سرد ملک کے رہنے والے تھے اس لئے خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو تسلی دینے کے لئے اِس ملک کا نام کَـاَشِیُر رکھ دیا۔ جس کے معنے ہیں اَشِیر کے ملک کی طرح۔ پھر کثرت استعمال سے الف ساقط ہو گیا۔ اور کشیر رہ گیا۔ پھر بعد اس کے غیر قوموں نے جو کشیر کے باشندے نہ تھے اور نہ اِس ملک کی زبان رکھتے تھے ایک میم اِس میں زیادہ کر کے کشمیر بنا دیا مگر یہ خدا تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہے کہ کشمیری زبان میں اب تک کشیر ہی بولا جاتا اور لکھا جاتا ہے۔

ماسوا اس کے کشمیر کے ملک میں اور بہت سی چیزوں کے اب تک عبرانی نام پائے جاتے ہیں بلکہ بعض پہاڑوں پر نبیوں کے نام استعمال پا گئے ہیں جن سے سمجھا جاتا ہے کہ عبرانی قوم کسی زمانہ میں ضرور اس جگہ آباد رہ چکی ہے جیسا کہ سلیمان نبی کے نام سے ایک پہاڑ کشمیر میں موجود ہے اور ہم اس مدعا کے ثابت کرنے کے لئے ایک لمبی فہرست اپنی بعض کتابوں میں شائع کر چکے ہیں جو عبرانی الفاظ اور اسرائیلی نبیوں کے نام پر مشتمل ہے جو کشمیر میں اب تک پائے جاتے ہیں۔ اور کشمیر کی تاریخی کتابیں جو ہم نے بڑی محنت سے جمع کی ہیں جو ہمارے پاس موجود ہیں ان سے بھی مفصلاً یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک زمانہ میں جو اس وقت شمار کی رو سے دو ہزار برس کے قریب گذر گیا ہے ایک اسرائیلی نبی کشمیر میں آیا تھا جو بنی اسرائیل میں سے تھا اور شاہزادہ نبی کہلاتا تھا۔ اس کی قبر محلّہ خان یار میں ہے جو یوز آسف کی قبر کر کے مشہور ہے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ کتابیں تو میری پیدائش سے بہت پہلے کشمیر میں شائع ہو چکی ہیں۔ پس کیونکر کوئی خیال کر سکتا ہے کہ کشمیریوں نے افترا کے طور پر یہ کتابیں لکھی تھیں۔ ان لوگوں کو اس افترا کی کیا ضرورت تھی اور کس غرض کے لئے ﴿۲۲۸﴾ انہوں نے ایسا افترا کیا؟ اور عجیب تر یہ کہ وہ لوگ اب تک اپنی کمال سادہ لوحی سے دوسرے مسلمانوں کی طرح یہی اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر مع جسم عنصری چلے گئے تھے

اور پھر باوجود اس اعتقاد کے پورے یقین سے اس بات کو جانتے ہیں کہ ایک اسرائیلی نبی کشمیر میں آیا تھا کہ جو اپنے تئیں شہزادہ نبی کر کے مشہور کرتا تھا۔ اور ان کی کتابیں بتلاتی ہیں کہ شمار کی رو سے اس زمانہ کو اب انیس سو برس سے کچھ زیادہ برس گذر گئے ہیں۔ اس جگہ کشمیریوں کی سادہ لوحی سے ہمیں یہ فائدہ حاصل ہوا ہے کہ اگر وہ اس بات کا علم رکھتے کہ شاہزادہ نبی بنی اسرائیل میں کون تھا اور وہ نبی کون ہے جس کو اب انیس سو برس گذر گئے تو وہ کبھی ہمیں یہ کتابیں نہ دکھلاتے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ ہم نے ان کی سادہ لوحی سے بڑا فائدہ اٹھایا۔ ماسوا اس کے وہ لوگ شہزادہ نبی کا نام یوز آسف بیان کرتے ہیں یہ لفظ صریح معلوم ہوتا ہے، کہ یسوع آسف کا بگڑا ہوا ہے۔ آسف عبرانی زبان میں اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو قوم کو تلاش کرنے والا ہو چونکہ حضرت عیسیٰ اپنی اس قوم کو تلاش کرتے کرتے جو بعض فرقے یہودیوں میں سے گم تھے کشمیر میں پہنچے تھے اس لئے انہوں نے اپنا نام یسوع آسف رکھا تھا اور یوز آسف کی کتاب میں صریح لکھا ہے کہ یوز آسف پر خدا تعالیٰ کی طرف سے انجیل اتری تھی۔ پس باوجود اس قدر دلائل واضحہ کے کیونکر اس بات سے انکار کیا جائے کہ یوز آسف دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہے ورنہ یہ بارثبوت ہمارے مخالفوں کی گردن پر ہے کہ وہ کون شخص ہے جو اپنے تئیں شاہزادہ نبی ظاہر کرتا تھا جس کا زمانہ حضرت عیسیٰ کے زمانہ سے بالکل مطابق ہے اور یہ پتہ بھی ملا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ کشمیر میں آئے تو اس زمانہ کے بدھ مذہب والوں نے اپنی پُستکوں میں ان کا کچھ ذکر کیا ہے۔

ایک اور قوی دلیل اس بات پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اٰوَیۡنٰهُمَاۤ اِلٰی رَبۡوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِیۡنٍ[1] یعنی ہم نے عیسیٰ اور اس کی ماں کو ایک ایسے ٹیلے پر پناہ دی جو آرام کی جگہ تھی اور ہر ایک دشمن کی دست درازی سے دور تھی اور پانی اُس کا بہت خوشگوار تھا۔ ﴿۲۲۹﴾

یاد رہے کہ اٰوٰی کا لفظ عربی زبان میں اس جگہ پر بولا جاتا ہے جب ایک مصیبت کے بعد کسی شخص کو پناہ دیتے ہیں ایسی جگہ میں جو دارالامان ہوتا ہے پس وہ دارالامان ملک شام

[1] المؤمنون:۵۱

نہیں ہوسکتا کیونکہ ملک شام قیصر روم کی عملداری میں تھا۔اور حضرت عیسیٰ قیصر کے باغی قرار پا چکے تھے۔ پس وہ کشمیر ہی تھا جو شام کے ملک سے مشابہ تھا اور قرار کی جگہ تھی۔ یعنی امن کی جگہ تھی یعنی قیصر روم کو اس سے کچھ تعلق نہ تھا۔

اس جگہ بعض آدمی ایک اور اعتراض پیش کیا کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جس حالت میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ سلسلہ محمدیہ سلسلہ موسویہ کے مقابل پر قائم کیا گیا ہے اور ہر ایک حسن اور قبح میں یہ سلسلہ سلسلۂ موسویہ کی مثال اپنے اندر رکھتا ہے تو اِس صورت میں لازم تھا کہ جیسا کہ قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مثیل موسیٰ رکھا گیا ہے آخری خلیفہ کا نام پیشگوئیوں میں مثیل عیسیٰ رکھا جاتا حالانکہ انجیل اور نیز احادیث نبویہ میں سلسلہ خلافت کے آخری زمانہ میں آنے والے کا نام عیسیٰ ابن مریم رکھا گیا ہے مثیل عیسیٰ نہیں رکھا۔

اِس وہم کا جواب یہ ہے کہ ضرور تھا کہ خدا تعالیٰ صدر اسلام اور آخر اسلام کے خلیفہ کے بارے میں اسی طرز سے بیان کرتا جس طرز سے خدا تعالیٰ کی پہلی کتابوں میں بیان کیا گیا تھا۔ سو یہ امر کسی پر پوشیدہ نہیں کہ توریت میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت پیشگوئی ہے وہ انہیں الفاظ میں ہے کہ ’’خدا تعالیٰ تمہارے بھائیوں میں سے موسیٰ کی مانند ایک نبی قائم کرے گا‘‘ اُس مقام میں یہ نہیں لکھا کہ خدا موسیٰ کو بھیجے گا۔ پس ضرور تھا کہ خدا تعالیٰ قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بارے میں توریت کے مطابق بیان فرماتا تا توریت اور قرآن شریف میں اختلاف پیدا نہ ہوتا۔ پس اِسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا۔ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ رَسُوۡلًا ۬ۙ شَاہِدًا عَلَیۡکُمۡ کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا[1]۔ یعنی ہم نے اُسی نبی کی مانند تمہاری طرف یہ رسول بھیجا ہے کہ جو فرعون کی طرف بھیجا گیا تھا۔ ﴿۲۳۰﴾

لیکن آخری خلیفہ کے بارے میں جس کا نام عیسیٰ رکھا گیا ہے انجیل میں یہ نہیں خبر دی گئی کہ آخری زمانہ میں مثیل عیسیٰ آئے گا بلکہ یہ لکھا ہے کہ عیسیٰ آئے گا۔ پس ضرور تھا کہ انجیل کی پیشگوئی کے مطابق اسلام کے آخری خلیفہ کا نام عیسیٰ رکھا جاتا تا انجیل اور احادیث نبویہ میں اختلاف پیدا نہ ہوتا۔

[1] المزّمّل: ۱۶

ہاں اس جگہ ایک طالب حق کا یہ حق ضرور ہے کہ وہ یہ سوال پیش کرے کہ اس میں کیا حکمت اور مصلحت تھی کہ توریت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف مثیل موسیٰ کر کے بیان کیا گیا لیکن انجیل میں خود عیسیٰ کر کے ہی بیان کر دیا گیا۔ اور کیوں جائز نہیں کہ عیسیٰ سے مراد درحقیقت عیسیٰ ہی ہو اور وہی دوبارہ آنے والا ہو۔

اِس سوال کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو کسی طرح دوبارہ نہیں آسکتے کیونکہ وہ وفات پا گئے اور اُن کا وفات پا جانا اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں صریح لفظوں میں بیان فرما دیا ہے اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس جماعت میں آسمان پر بیٹھے ہوئے دیکھ لیا جو اس جہان سے گذر چکے ہیں۔ پھر تیسری شہادت یہ کہ تمام اصحاب رضی اللہ عنہم کے اجماع سے تمام نبیوں کا فوت ہو جانا ثابت ہو گیا۔ پھر بعد اس کے عقل سلیم کی شہادت ہے جو شہاداتِ ثلاثہ مذکورہ کی مؤیّد ہے کیونکہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے عقل نے اس واقعہ کی کوئی نظیر نہیں دیکھی اور کوئی نبی آج تک نہ کبھی مع جسم عنصری آسمان پر گیا اور نہ واپس آیا، پس چار شہادتیں باہم مل کر قطعی فیصلہ دیتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اور ان کا زندہ آسمان پر مع جسم عنصری جانا اور اب تک زندہ ہونا اور پھر کسی وقت مع جسم عنصری زمین پر آنا یہ سب ان پر تہمتیں ہیں۔ افسوس کہ اسلام بُت پرستی سے بہت دور تھا لیکن آخرکار اسلام میں بھی بت پرستی کے رنگ میں یہ عقیدہ پیدا ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ کو ایسی خصوصیتیں دی گئیں جو دوسرے نبیوں میں نہیں پائی جاتیں۔ خدا تعالیٰ مسلمانوں کو اس قسم کی ﴿۲۳۱﴾
بت پرستی سے رہائی بخشے۔ عیسیٰ کی موت میں اسلام کی زندگی ہے اور عیسیٰ کی زندگی میں اسلام کی موت ہے۔ خدا وہ دن لاوے کہ غافل مسلمانوں کی نظر اس راہ راست پر پڑے۔ آمین

اب خلاصہ کلام یہ کہ جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات قطعی طور پر ثابت ہے تو پھر یہ گمان بداہت باطل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں آئیں گے۔ رہا سوال مذکورہ کے اِس حصہ کا جواب کہ ایک اُمتی کا عیسیٰ نام رکھنے میں کیا مصلحت تھی اور کیوں انجیل

اور احادیث نبویہ میں اس کا نام عیسیٰ رکھا گیا اور کیوں مثیل موسیٰ کی طرح اس جگہ بھی مثیل عیسیٰ کے لفظ سے یاد نہ کیا گیا۔

اِس سوال کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو منظور تھا کہ ایک عظیم واقعہ میں جو اسرائیلی عیسیٰ پر وارد ہو چکا تھا اِس اُمت کے آخری خلیفہ کو شریک کرے اور وہ اس واقعہ میں اسی حالت میں شریک ہو سکتا تھا کہ جب اس کا نام عیسیٰ رکھا جائے اور چونکہ خدا تعالیٰ کو منظور تھا کہ دونوں سلسلوں کی مطابقت دکھلاوے اس لئے اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مثیل موسیٰ رکھا کیونکہ حضرت موسیٰ کو جو فرعون کے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں اُس واقعہ کی مشابہت اسی صورت میں نمایاں ہو سکتی تھی کہ جب آپ کو مثیل موسیٰ کر کے پکارا جاتا مگر جو واقعہ حضرت عیسیٰ کو پیش آیا تھا وہ اس امت کے آخری خلیفہ میں اسی صورت میں متحقق ہو سکتا تھا کہ جب اُس کا نام عیسیٰ رکھا جاتا کیونکہ اُس عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے صرف اِس وجہ سے قبول نہیں کیا تھا کہ ملاکی نبی کی کتاب میں یہ لکھا گیا تھا کہ جب تک الیاس نبی دوبارہ دنیا میں نہیں آئے گا تب تک وہ عیسیٰ ظاہر نہیں ہوگا لیکن الیاس نبی دوبارہ دنیا میں نہ آیا اور یوحنا یعنی حضرت یحییٰ کو ہی الیاس قرار دیا گیا۔ اس لئے یہود نے حضرت عیسیٰ کو قبول نہ کیا۔ پس خدا تعالیٰ کی تقدیر میں مماثلت پوری کرنے کے لئے یہ قرار پایا تھا کہ آخری زمانہ میں بعض اِسی اُمت کے لوگ ان یہودیوں کی طرح ہو جائیں گے۔ جنہوں نے الیاس ﴿۲۳۲﴾ آنے والے کی حقیقت کو نہ سمجھ کر حضرت عیسیٰ کی نبوت اور سچائی سے انکار کیا تھا۔ پس ایسے یہودیوں کے لئے کسی ایسی پیشگوئی کی ضرورت تھی جس میں کسی گذشتہ نبی کی آمد کا ذکر ہوتا جیسا کہ الیاس کی نسبت پیشگوئی تھی اور تقدیر الٰہی میں قرار پا چکا تھا کہ ایسے یہودی اس امت میں بھی پیدا ہوں گے۔ پس اس لئے میرا نام عیسیٰ رکھا گیا جیسا کہ حضرت یحییٰ کا نام الیاس رکھا گیا تھا۔ چنانچہ آیت غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ [1] میں اسی کی طرف اشارہ ہے پس عیسیٰ کی آمد کی پیشگوئی اِس اُمت کے لئے ایسی ہی تھی جیسا کہ یہودیوں کے لئے حضرت یحییٰ

[1] الفاتحۃ: ۷

کی آمد کی پیشگوئی۔ غرض یہ نمونہ قائم کرنے کے لئے میرا نام عیسیٰ رکھا گیا۔ اور نہ صرف اس قدر بلکہ اس عیسیٰ کے مکذب جو اس اُمت میں ہونے والے تھے ان کا نام یہود رکھا گیا چنانچہ آیت غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ میں انہیں یہودیوں کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی وہ یہودی جو اس امّت کے عیسیٰ سے منکر ہیں جو ان یہودیوں کے مشابہ ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ کو قبول نہیں کیا تھا۔ پس اس طور سے کامل درجہ پر مشابہت ثابت ہوگئی کہ جس طرح وہ یہودی جو الیاس نبی کی دوبارہ آمد کے منتظر تھے حضرت عیسیٰ پر محض اس عذر سے کہ الیاس دوبارہ دنیا میں نہیں آیا ایمان نہ لائے۔ اِسی طرح یہ لوگ اِس اُمت کے عیسیٰ پر محض اِس عذر سے ایمان نہ لائے کہ وہ اسرائیلی عیسیٰ دوبارہ دنیا میں نہیں آیا۔ پس ان یہودیوں میں جو حضرت عیسیٰ پر ایمان نہیں لائے تھے اس وجہ سے کہ الیاس دوبارہ دنیا میں نہیں آیا اور ان یہودیوں میں جو حضرت عیسیٰ کی دوبارہ آمد کے منتظر ہیں مشابہت ثابت ہوگئی اور یہی خدا تعالیٰ کا مقصد تھا۔ اور جیسا کہ اسرائیلی یہودیوں اور ان یہودیوں میں مشابہت ثابت ہوگئی اسی طرح اسرائیلی عیسیٰ اور اس عیسیٰ میں جو **میں ہوں** مشابہت بدرجۂ کمال پہنچ گئی کیونکہ وہ عیسیٰ اسی وجہ سے یہودیوں کی نظر سے ردّ کیا گیا کہ ایک نبی دوبارہ دنیا میں نہیں آیا اِسی طرح یہ عیسیٰ جو میں ہوں ان یہودیوں کی نگاہ میں رد کیا گیا ہے کہ ایک نبی دوبارہ دنیا میں نہیں آیا۔ اور صاف ظاہر ہے کہ جن لوگوں کو احادیث نبویہ اس امت کے یہودی ٹھہراتی ہیں جن کی طرف آیت
غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ بھی اشارہ کرتی ہے وہ اصل یہودی نہیں ہیں بلکہ اِسی اُمت کے ﴿۲۳۳﴾
لوگ ہیں جن کا نام یہودی رکھا گیا ہے۔ اِسی طرح وہ عیسیٰ بھی اصل عیسیٰ نہیں ہے جو بنی اسرائیل میں سے ایک نبی تھا بلکہ وہ بھی اِسی اُمت میں سے ہے اور یہ خدا تعالیٰ کی اس رحمت اور فضل سے بعید ہے جو اِس اُمت کے شامل حال رکھتا ہے کہ وہ اِس اُمت کو یہودی کا خطاب تو دے بلکہ ان یہودیوں کا خطاب دے جنہوں نے الیاس نبی کے دوبارہ آنے کی حجت پیش کر کے حضرت عیسیٰ کو کافر اور کذاب ٹھہرایا تھا لیکن اس اُمت کے کسی فرد کو عیسیٰ کا خطاب نہ دے تو کیا

اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا ہے کہ یہ اُمت خدا تعالیٰ کے نزدیک کچھ ایسی بد بخت اور بدقسمت ہے کہ اس کی نظر میں شریر اور نافرمان یہودیوں کا خطاب تو پا سکتی ہے مگر اس اُمت میں ایک فرد بھی ایسا نہیں کہ عیسیٰ کا خطاب پاوے پس یہی حکمت تھی کہ ایک طرف تو خدا تعالیٰ نے اس اُمت کے بعض افراد کا نام یہودی رکھ دیا اور دوسری طرف ایک فرد کا نام عیسیٰ بھی رکھ دیا۔

بعض لوگ محض نادانی سے یا نہایت درجہ کے تعصب اور دھوکا دینے کی غرض سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی پر اس آیت کو بطور دلیل لاتے ہیں کہ وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ[1] اور اس سے یہ معنے نکالنا چاہتے ہیں کہ اس وقت تک حضرت عیسیٰ فوت نہیں ہوں گے جب تک کل اہل کتاب اُن پر ایمان لے آویں لیکن ایسے معنے وہی کرے گا جس کو فہم قرآن سے پورا حصہ نہیں ہے یا جو دیانت کے طریق سے دور ہے کیونکہ ایسے معنے کرنے سے قرآن شریف کی ایک پیشگوئی باطل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے فَاَغۡرَيۡنَا بَيۡنَهُمُ الۡعَدَاوَةَ وَالۡبَغۡضَآءَ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ[2] اور پھر دوسری جگہ فرماتا ہے۔ وَاَلۡقَيۡنَا بَيۡنَهُمُ الۡعَدَاوَةَ وَالۡبَغۡضَآءَ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ[3]۔ ان آیتوں کے یہ معنے ہیں کہ ہم نے قیامت تک یہود اور نصاریٰ میں دشمنی اور عداوت ڈال دی ہے پس اگر آیت ممدوحہ بالا کے یہ معنے ہیں کہ قیامت سے پہلے تمام یہودی ﴿۲۳۴﴾ حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لے آئیں گے تو اس سے لازم آتا ہے کہ کسی وقت یہود و نصاریٰ کا بغض باہمی دور بھی ہو جائے گا اور یہودی مذہب کا تخم زمین پر نہیں رہے گا حالانکہ قرآن شریف کی اِن آیات سے اور کئی اور آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہودی مذہب قیامت تک رہے گا۔ ہاں ذلت اور مسکنت ان کے شامل حال ہوگی اور وہ دوسری طاقتوں کی پناہ میں زندگی بسر کریں گے۔ پس آیت ممدوحہ بالا کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ہر ایک شخص جو اہل کتاب میں سے ہے وہ اپنی موت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یا حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آویں گے۔ غرض موتہٖ کی ضمیر اہل کتاب کی طرف پھرتی ہے نہ حضرت عیسیٰ کی طرف اسی وجہ سے اس آیت کی دوسری قراءت میں مَوتھم واقع ہے۔ اگر حضرت عیسیٰ کی طرف

[1] النسآء:۱۶۰ [2] المآئدة:۱۵ [3] المآئدة:۶۵

یہ ضمیر پھرتی تو دوسری قراءت میں موتھم کیوں ہوتا؟ دیکھو تفسیر ثنائی کہ اس میں بڑے زور سے ہمارے اس بیان کی تصدیق موجود ہے اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہی معنے ہیں مگر صاحب تفسیر لکھتا ہے کہ ''ابو ہریرہ فہم قرآن میں ناقص ہے اور اس کی درایت پر محدثین کو اعتراض ہے۔ ابو ہریرہ میں نقل کرنے کا مادہ تھا اور درایت اور فہم سے بہت ہی کم حصہ رکھتا تھا۔ اور میں کہتا ہوں کہ اگر ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایسے معنے کئے ہیں تو یہ اس کی غلطی ہے جیسا کہ اور کئی مقام میں محدثین نے ثابت کیا ہے کہ جو امور فہم اور درایت کے متعلق ہیں اکثر ابو ہریرہؓ اُن کے سمجھنے میں ٹھوکر کھاتا ہے اور غلطی کرتا ہے۔ یہ مسلّم امر ہے کہ ایک صحابی کی رائے شرعی حجت نہیں ہوسکتی۔ شرعی حجت صرف اجماع صحابہؓ ہے۔ سو ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس بات پر اجماع صحابہ ہو چکا ہے کہ تمام انبیاء فوت ہو چکے ہیں۔

اور یاد رکھنا چاہیے کہ جبکہ آیت قبل موتہٖ کی دوسری قراءت قبل موتھم موجود ہے ﴿۲۳۵﴾
جو بموجب اصول محدثین کے حکم صحیح حدیث کا رکھتی ہے یعنی ایسی حدیث جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے تو اس صورت میں محض ابو ہریرہ کا اپنا قول رد کرنے کے لائق ہے کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ کے مقابل پر ہیچ اور لغو ہے اور اُس پر اصرار کرنا کفر تک پہنچا سکتا ہے۔ اور پھر صرف اسی قدر نہیں بلکہ ابو ہریرہ کے قول سے قرآن شریف کا باطل ہونا لازم آتا ہے کیونکہ قرآن شریف تو جابجا فرماتا ہے کہ یہود و نصاریٰ قیامت تک رہیں گے ان کا بکلی استیصال نہیں ہوگا۔ اور ابو ہریرہ کہتا ہے کہ یہود کا استیصال بکلی ہو جائے گا اور یہ سراسر مخالف قرآن شریف ہے۔ جو شخص قرآن شریف پر ایمان لاتا ہے اس کو چاہیے کہ ابو ہریرہ کے قول کو ایک ردّی متاع کی طرح پھینک دے بلکہ چونکہ قراءت ثانی حسب اصول محدثین حدیث صحیح کا حکم رکھتی ہے اور اس جگہ آیت قبل موتہٖ کی دوسری قراءت قبل موتھم موجود ہے جس کو حدیث صحیح سمجھنا چاہیے۔ اس صورت میں ابو ہریرہ کا قول قرآن اور حدیث دونوں کے مخالف ہے۔ فلا شکّ انّه باطل و من تبعه فانّه مفسد بطّال ۔

کلمۃ

تمّت

خَاتِمَہْ

﴾الف﴿ بڑا اہم مطلب جو اس خاتمہ میں لکھنے کے لئے پیش نظر ہے وہ یہ ہے کہ گذشتہ چار[۴] حصوں میں جو جو امور یا جو جو الہام مجمل بیان کئے گئے ہیں یا جن پیشگوئیوں کا ان حصوں میں ذکر ہو چکا ہے اور وہ اس زمانہ میں ظہور میں نہیں آئیں مگر بعد میں رفتہ رفتہ ظہور میں آ گئیں ان سب امور کے ظہور اور وقوع کا اس خاتمہ میں ذکر کیا جائے اور جن امور کی بعد میں حقیقت کھل گئی اس حقیقت کو بیان کیا جائے۔ پس یہ حصہ پنجم درحقیقت پہلے حصوں کے لئے بطور شرح کے ہے اور ایسی شرح کرنا میرے اختیار سے باہر تھا جب تک خدا تعالیٰ تمام سامان اپنے ہاتھ سے میسر نہ کرتا۔ کیونکہ حصص سابقہ کی الہامی پیشگوئیوں میں بہت سے نشانوں کے ظاہر ہونے کا وعدہ دیا گیا ہے۔ اور یہ بھی وعدہ ہے کہ خدا تعالیٰ اس عاجز کو قرآن شریف کے حقائق اور معارف سکھلائے گا اور انہیں حصوں میں میرا نام مریم اور عیسیٰ اور موسیٰ اور آدم غرض تمام انبیاء کا نام رکھا گیا ہے۔ اور یہ راز بھی معلوم نہ تھا کہ کیوں رکھا گیا اور ان تمام امور کا سمجھنا بجز الٰہی طاقت کے میرے لئے غیر ممکن تھا۔ خاص کر آسمانی نشانوں کا ظاہر کرنا تو وہ امر ہے جو بدیہی طور پر بشری قوت سے بالاتر اور بلند تر ہے۔ اور ان تمام امور کے ظاہر ہونے کے لئے خدا تعالیٰ کے ارادہ نے ایک وقت مقدر کر رکھا تھا اور کتاب کے پنجم[۵] حصہ کا لکھنا انہیں امور کی شرح پر موقوف۔ پس اس صورت میں کیونکر ممکن تھا کہ بغیر ظہور ان امور کے جو حصص سابقہ کے لئے بطور شرح کے تھے پنجم حصہ لکھا جاتا کیونکہ وہی امور تو پنجم حصہ کے لئے نفس مضمون تھے اور جب مدت التوا پر چوبیسواں[۲۴] سال آیا تو عنایت الٰہی کی نسیمِ رحمت ﴾ب﴿

نے تمام وہ امور جو براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں مخفی اور مستور تھے اُن پر ہر ایک پہلو سے روشنی ڈال دی۔ ایک طرف وہ موعودہ پیشگوئیاں جن کے ظہور کی انتظار تھی کافی طور پر ظہور میں آگئیں اور دوسری طرف قرآنی حقائق اور معارف جو معرفت کو کامل کرتے تھے بخوبی کھل گئے اور ساتھ اس کے **اسماء الانبیاء** کا راز بھی جو پہلے چار حصوں میں سربستہ تھا یعنی وہ نبیوں کے اسماء جو میری طرف منسوب کئے گئے تھے ان کی حقیقت بھی **کماحقّہٗ منکشف** ہوگئی یعنی یہ راز بھی کہ خدا تعالیٰ نے تمام انبیاء **علیہم السّلام** کا نام براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں میرا نام کیوں رکھ دیا ہے اور نیز **یہ راز** بھی کہ اخیر پر بنی اسرائیل کے خاتم الانبیاء کا نام جو عیسیٰ ہے اور اسلام کے خاتم الانبیاء کا نام جو **احمد** اور **محمد** ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ دونوں نام بھی میرے نام کیوں رکھ دیئے؟ ان تمام چھپی ہوئی حقیقتوں کا بھی انکشاف ہوگیا۔ اور میرا نام آسمان پر عیسیٰ وغیرہ ہونا وہ راز تھا جس کو اسی طرح خدا تعالیٰ نے صدہا سال تک مخفی رکھا تھا جیسا کہ اصحاب کہف کو مخفی رکھا تھا۔ اور ضرور تھا کہ وہ تمام راز سربستہ رہیں جب تک کہ وہ زمانہ آجائے جو ابتدا سے مقدر تھا۔ اور جب وہ زمانہ آگیا اور یہ تمام باتیں پوری ہوگئیں تو وقت آگیا کہ پنجم حصہ لکھا جائے۔ پس اِسی بات نے براہین احمدیہ کی تکمیل کو تیئیس ۲۳ برس تک معرضِ التوا میں رکھا تھا۔ یہ خدا کے اسرار ہیں جن پر انسان بجز اُس کے مطلع کرنے کے اطلاع نہیں پا سکتا۔ ہر ایک انسان جو اس پنجم حصہ کو پڑھے گا وہ اس بات کے لئے مجبور ہوگا کہ یہ اقرار کرے کہ اگر ان پیشگوئیوں اور دوسرے اسرار کے کھلنے سے پہلے پنجم حصہ لکھا جاتا تو وہ گذشتہ حصوں کی حقیقت دکھلانے کے لئے ہرگز آئینہ نہ ٹھہر سکتا بلکہ اس کا لکھنا محض بے ربط اور بے تعلق ہوتا۔ پس وہ خدا جو حکیم اور عالم الغیب ہے اور ہر ایک کام اس کا اوقات سے وابستہ ہے اس نے یہی پسند کیا کہ اوّل وہ تمام پیشگوئیاں اور تمام حقیقتیں ظاہر ہو جائیں جو حصص سابقہ کے وقت میں ابھی ظاہر نہیں ہوئی تھیں پھر بعد میں پنجم حصہ لکھا جائے تا وہ ان تمام امور کے

ظاہر اور کامل ہونے کی اطلاع دے جو پہلے مخفی اور مستور تھے اور درحقیقت اس کتاب کے پہلے ﴿ج﴾
حصے جس قدر تحریر پر ختم ہو چکے ہیں ان کے لئے ایک ایسی حالت منتظرہ باقی تھی جو بجز اس طرز
کے پنجم حصہ کے پوری نہیں ہو سکتی تھی۔ کیونکہ ان چار حصوں میں ایک بڑا حصہ پیشگوئیوں کا ہے
جن میں خبر دی گئی ہے کہ آئندہ خدا ایسے ایسے امور کو ظاہر کرے گا۔ اور جب تک وہ پیشگوئیاں
پوری نہ ہو جاتیں تو کیونکر کوئی سمجھ سکتا تھا کہ وہ تمام الہام جن میں یہ پیشگوئیاں لکھی گئیں وہ خدا
کی طرف سے ہیں اور اسی وجہ سے تمام مخالف ان پیشگوئیوں کے مکذب رہے اور خدا نہیں چاہتا
تھا کہ اُس کی پیشگوئیوں کو تکذیب کی نظر سے دیکھا جائے اور خود یہ بات محققانہ طرز سے دور تھی
کہ ابھی گذشتہ حصوں کی سچائی کا ثبوت نہ دیا جائے اور ایک غیر متعلق پنجم حصہ لکھا جائے۔ پس
ضرور تھا کہ قضاء وقدر ربانی اس عاجز کو پنجم حصہ کے لکھنے سے اُس مدت دراز تک روکے رکھے
جب تک کہ وہ تمام پیشگوئیاں اور دوسرے امور ظہور میں آجائیں کہ جو پہلے چار حصوں میں مخفی
اور مستور تھے۔ سو الحمد للّٰہ وَ المنّۃ اس مدت میں کہ جو پوری تیئیس [۲۳] سال تھی وہ سب باتیں
ظہور میں آگئیں اور یہ سب سامان خدا نے آپ میسر کر دیا اور علاوہ ظہور نشانوں کے خدا تعالیٰ کی
کشفی تجلیات نے حقیقت اسلام کی اور نیز بہت سے مشکل مقامات قرآن شریف کے میرے پر
کھول دیئے ورنہ میری طاقت سے باہر تھا کہ میں ان دقائق عالیہ کو خود بخود معلوم کر سکتا لیکن اس
سامان کے پیدا ہونے کے بعد میں اس لائق ہو گیا کہ پنجم حصہ میں پہلے چار حصوں کے ان مقامات
کی شرح لکھوں کہ جو اس گذشتہ زمانہ میں مَیں لکھ نہیں سکتا تھا۔ پس میں نے اس پورے سامان کے
بعد ارادہ کیا کہ اوّل اس خاتمہ میں اسلام کی حقیقت لکھوں کہ اسلام کیا چیز ہے؟ اور بعد میں قرآن
شریف کی اعلیٰ اور کامل تعلیم کا اُس کی آیات کے حوالہ سے کچھ بیان کروں۔ اور یہ ظاہر کروں
کہ درحقیقت تمام آیات قرآنی کے لئے اسلام کا مفہوم بطور مرکز کے ہے اور تمام آیات قرآنی

اسی کے گرد گھوم رہی ہیں۔ اور پھر بعد اس کے ان نشانوں کا ذکر کروں جن کا میرے ہاتھ پر ظاہر ہونا براہین احمدیہ کے پہلے حصوں میں وعدہ تھا جو اتباع قرآن شریف کا ایک نتیجہ ہیں۔ ﴿د﴾ اور سب کے بعد ان الہامات کی تشریح لکھوں جن میں میرا نام خدا تعالیٰ نے عیسیٰ رکھا ہے یا دوسرے نبیوں کے نام سے مجھے موسوم کیا ہے یا ایسا ہی اور بعض الہامی فقرے جو تشریح کے لائق ہیں بیان فرمائے ہیں۔ پس مذکورہ بالا ضرورتوں کے لحاظ سے اس خاتمہ کو چار فصلوں پر منقسم کیا گیا ہے۔

فصل اوّل۔ اسلام کی حقیقت کے بیان میں۔

فصل دوم۔ قرآن شریف کی اعلیٰ اور کامل تعلیم کے بیان میں۔

فصل سوم۔ ان نشانوں کے بیان میں جن کے ظہور کا براہین احمدیہ میں وعدہ تھا اور خدا نے میرے ہاتھ پر وہ ظاہر فرمائے۔

فصل چہارم۔ ان الہامات کی تشریح میں جن میں میرا نام عیسیٰ رکھا ہے یا دوسرے نبیوں کے نام سے مجھے موسوم کیا ہے یا ایسا ہی اور بعض الہامی فقرے جو تشریح کے لائق ہیں بیان فرمائے ہیں۔ اب انشاء اللہ اسی تشریح سے فصول اربعہ کا ذیل میں ذکر ہوگا۔ وَ مَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ

رَبِّ اَنْطِقْنَا بِالْحَقِّ وَ اكْشِفْ عَلَيْنَا الْحَقَّ وَاهْدِنَا اِلٰى حَقٍّ مُّبِيْنٍ.

اٰمین ثُمَّ اٰمین ؎

﴿۱﴾

ذیل میں وہ متفرق یادداشتیں دی جاتی ہیں

جو

حضرت اقدس نے اِس مضمون کے متعلق لکھی تھیں اور آپ کے مسودات سے دستیاب ہوئیں

آیاتِ قرآن شریف جو اس مضمون میں انشاء اللہ لکھی جائیں گی۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ [1] ۔صفحہ ۵۶ ☆

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ [2] ۔اگر تم ظاہر کرو خیرات کو تو وہ اچھا ہے۔اور اگر تم خیرات کو چھپاؤ تو وہ بہت ہی اچھا ہے۔ایسی خیرات تمہاری برائیاں دُور کرے گی۔صفحہ ۶۰

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ [3] ۔صفحہ ۶۱

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ [4] تاکہ ان کا بھلا ہو۔صفحہ ۳۷۔سورۃ البقرۃ الجزو نمبر ۲ ۔ چاہیے کہ میرے حکموں کو قبول کریں اور مجھ پر ایمان لاویں تاکہ ان کا بھلا ہو۔

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا [5] ۔صفحہ ۴۱۔الجزو نمبر ۲ سورۃ البقرۃ۔ تم محبت سے بھرے ہوئے دل کے ساتھ خدا کو یاد کرو جیسا کہ تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو۔

☆ **نوٹ۔** یہ حوالہ جات صفحات اُس قرآن مجید کے ہیں جو حضور علیہ السلام کے پاس بوقت تحریر مضمون تھا۔

[1] البقرۃ:۲۵۷ [2] البقرۃ:۲۷۲ [3] البقرۃ:۲۷۵ [4] البقرۃ:۱۸۷ [5] البقرۃ:۲۰۱

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ[1]۔

صفحہ۴۲۔الجزو نمبر۲ البقرہ۔ بعض ایسے ہیں کہ اپنے نفسوں کو خدا کی راہ میں بیچ دیتے ہیں۔ تا کسی طرح وہ راضی ہو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ[2]۔ صفحہ ۴۳۔ اے ایمان والو! خدا کی راہ میں اپنی گردن ڈال دو۔ اور شیطانی راہوں کو اختیار مت کرو کہ شیطان تمہارا دشمن ہے۔ اِس جگہ شیطان سے مراد وہی لوگ ہیں جو بدی کی تعلیم دیتے ہیں۔ ﴿۲﴾

لَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ[3]۔ صفحہ ۴۶

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى[4] صفحہ ۵۸۔ كَالَّذِىْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا[5]۔ صفحہ ۵۸ صاف

قرآن شریف میں یہ خاص خوبی ہے کہ اس کی اخلاقی تعلیم تمام دُنیا کے لئے ہے مگر انجیل کی اخلاقی تعلیم صرف یہود کے لئے ہے۔

اس بیان میں کہ قرآن شریف دوسری امتوں کے نیکوں کی بھی تعریف کرتا ہے۔

لَيْسُوْا سَوَآءً مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ۝ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ[6]۔ صفحہ ۸۵

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِىْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ۝ هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ

---

[1] البقرة:۲۰۸ [2] البقرة:۲۰۹ [3] البقرة:۲۲۵ [4] البقرة:۲۶۵ [5] البقرة:۲۶۵ [6] اٰل عمران:۱۱۴، ۱۱۵

بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ وَ اِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ اِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ
الْغَيْظِ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ [1] صفحہ ۸۷

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ
فَتِيْلًا [2] صفحہ ۱۱۴۔ سورۃ النساء

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ
اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا [3]
صفحہ ۱۱۵۔ سورۃ النساء

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ یہودی اور مسلمان میں اس کے متعلق ہے)

﴿۳﴾ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا وَ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ
كِفْلٌ مِّنْهَا وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا [4] صفحہ ۱۲۱

اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے

وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ
وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا [5] سورۃ النساء۔ صفحہ ۱۲۳۔ الجزو نمبر ۵

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا [6] صفحہ ۱۲۳ سورۃ النساء

اسلام — وَ مَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ وَّ اتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ
حَنِيْفًا [7] صفحہ ۱۳۰ رکوع ۱۸۔ سورۃ النساء۔ الجزو نمبر ۵

صلح — وَ الصُّلْحُ خَيْرٌ [8] صفحہ ۱۳۰۔ رکوع ۱۹۔ سورۃ النساء

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ
اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ [9] الجزو نمبر ۵۔ سورۃ النساء۔ صفحہ ۱۳۶

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ
الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْيَوْمِ

۱ اٰل عمران:۱۱۹، ۱۲۰ ۲ النسآء:۵۰ ۳ النسآء:۵۹ ۴ النسآء:۸۶ ۵ النسآء:۹۴
۶ النسآء:۹۵ ۷ النسآء:۱۲۶ ۸ النسآء:۱۲۹ ۹ النسآء:۱۳۶

الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا ۔[1] صفحہ ۱۳۲

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا .... وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ
لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ ۔[2] صفحہ ۲۷۔ سورۃ البقرۃ۔ فَاِنْ اٰمَنُوْا
بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِہٖ فَقَدِ اھْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا ھُمْ فِیْ شِقَاقٍ ۔[3] صفحہ ۲۷ سورۃ البقرۃ

اگر وہ ایسا ایمان لائیں جیسا کہ تم ایمان لائے تو وہ ہدایت پا چکے اور اگر ایسا ایمان نہ لاویں تو پھر وہ ایسی قوم ہے جو مخالفت چھوڑنا نہیں چاہتی اور صلح کی خواہاں نہیں۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ وَکَانَ
اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا ۔[4] صفحہ ۱۳۷۔ سورۃ النساء۔ جزو نمبر ۶

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ
وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا ﴿۴﴾
اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًا ۔[5] صفحہ ۱۳۵ سورۃ النساء

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَیْکُمْ فِی الْکِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ یُکْفَرُ بِھَا وَیُسْتَھْزَاُ بِھَا
فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَھُمْ ۔[6] صفحہ ۱۳۳

مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَکَانَ اللّٰہُ
شَاکِرًا عَلِیْمًا ۔[7] صفحہ ۱۳۵۔ سورۃ النساء

اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَکَلِمَتُہٗ اَلْقٰھَآ اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ
مِّنْہُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَۃٌ اِنْتَھُوْا خَیْرًا لَّکُمْ ۔[8] صفحہ ۱۳۹۔ سورۃ النساء الجزو نمبر ۶

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا[9] صفحہ ۱۴۱

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ
عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ[10] صفحہ ۱۴۳
سورۃ المائدہ الجزو نمبر ۶۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی ۔[11]

[1] النساء: ۱۳۷ [2] البقرۃ: ۱۳۷ [3] البقرۃ: ۱۳۸ [4] النساء: ۱۶۶ [5] النساء: ۱۵۱، ۱۵۲ [6] النساء: ۱۴۱
[7] النساء: ۱۴۸ [8] النساء: ۱۷۲ [9] المائدۃ: ۴ [10] المائدۃ: ۹ [11] النّحل: ۹۱

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ
الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ[1] صفحہ ۱۶۱۔ سورۃ المائدہ

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ[2]۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ[3]۔ صفحہ ۱۹۹

الانعام۔ الجزو نمبر ۸ الٰی صفحہ ۲۰۸

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا[4] .... وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ
فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى[5]۔

وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا
سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ
الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَالَّذِيْ
خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ[6]

نہیں نکلتی کھیتی اس کی مگر تھوڑی — صفحہ ۲۰۹۔ سورۃ الاعراف۔ الجزو نمبر ۸

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّاۤ اَخَذْنَاۤ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ ﴿۵﴾
يَضَّرَّعُوْنَ[7] سورۃ الاعراف۔ صفحہ ۲۱۵

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی رسول نہیں بھیجا مگر ہم نے ان کو انکار کی حالت میں قحط اور وبا
کے ساتھ پکڑا تا اس طرح پر وہ عاجزی کریں۔

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ
وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ[8] صفحہ ۲۱۵۔ سورۃ الاعراف۔ الجزو نمبر ۹

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ
وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ[9] صفحہ ۲۱۵۔ الاعراف

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ؕ اَوَاَمِنَ

۱ المائدۃ:۹۱ ۲ ال عمران:۳۲ ۳ الانعام:۱۶۳ ۴ الشمس:۱۰،۱۱ ۵ بنی اسرائیل:۷۳
۶ الاعراف:۵۸،۵۹ ۷ الاعراف:۹۵ ۸ الاعراف:۹۶ ۹ الاعراف:۹۷

اَہۡلُ الۡقُرٰۤی اَنۡ یَّاۡتِیَہُمۡ بَاۡسُنَا ضُحًی وَّ ہُمۡ یَلۡعَبُوۡنَ[1] صفحہ ۲۱۵

یَاۡمُرُہُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ یَنۡہٰہُمۡ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَ یُحِلُّ لَہُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیۡہِمُ الۡخَبٰٓئِثَ وَ یَضَعُ عَنۡہُمۡ اِصۡرَہُمۡ وَ الۡاَغۡلٰلَ الَّتِیۡ کَانَتۡ عَلَیۡہِمۡ ؕ فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِہٖ وَ عَزَّرُوۡہُ وَ نَصَرُوۡہُ وَ اتَّبَعُوا النُّوۡرَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ مَعَہٗۤ ۙ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ[2]

صفحہ ۲۲۵۔ الاعراف۔ الجزو نمبر ۹

یہ نبی اُن باتوں کے لئے حکم دیتا ہے جو خلاف عقل نہیں ہیں اور ان باتوں سے منع کرتا ہے جن سے عقل بھی منع کرتی ہے۔ اور پاک چیزوں کو حلال کرتا ہے اور ناپاک کو حرام ٹھہراتا ہے اور قوموں کے سر پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جس کے نیچے وہ دبی ہوئی تھیں اور ان گردنوں کے طوقوں سے وہ رہائی بخشتا ہے جن کی وجہ سے گردنیں سیدھی نہیں ہو سکتی تھیں۔ پس جو لوگ اس پر ایمان لائیں گے اور اپنی شمولیت کے ساتھ اس کو قوت دیں گے۔ اور اس کی مدد کریں گے اور اس نور کی پیروی کریں گے جو اس کے ساتھ اُتارا گیا وہ دنیا اور آخرت کی مشکلات سے نجات پائیں گے۔

قُلۡ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعَا[3] صفحہ ۲۲۵۔ الاعراف۔ الجزو نمبر ۹

وَ الَّذِیۡنَ یُمَسِّکُوۡنَ بِالۡکِتٰبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ ؕ اِنَّا لَا نُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُصۡلِحِیۡنَ[4]۔ ۲۲۸

اور جو لوگ محکم پکڑتے ہیں کتاب کو اور نماز کو قائم کرتے ہیں اُن کے ہم اجر ضائع نہیں کرتے۔ ﴿۶﴾

اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ ؕ قَالُوۡا بَلٰی[5] صفحہ ۲۲۹۔ رُوحوں کے قویٰ جن میں خدا تعالیٰ کا عشق پیدا ہوا ہے بزبان حال گواہی دے رہے ہیں جو وہ خدا کے ہاتھ سے نکلے ہیں۔

پس اگر یہ سوال پیش ہو کہ ہم کس طرح قرآن شریف پر ایمان لاویں کیونکہ دونوں تعلیموں میں تناقض درمیان ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کوئی تناقض نہیں وید کی شرتیوں کی ہزارہا طور پر تفسیریں کی گئی ہیں اور منجملہ ان کے ایک تفسیر وہ بھی ہے جو قرآن کے مطابق ہے۔

[1] الاعراف: ۹۸،۹۹ [2] الاعراف: ۱۵۸ [3] الاعراف: ۱۵۹ [4] الاعراف: ۱۷۱ [5] الاعراف: ۱۷۳

جوشخص خدا سے نہیں ڈرتا وہ ایک حق الامر کے بارے میں ایسا مقابلہ سے پیش آتا ہے کہ گویا اس کو موت کی طرف کھینچنا چاہتے ہیں اور وہ اپنی جان بچا رہا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ یُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ[1] صفحہ ۲۳۹۔ الانفال۔ نمبر ۹ اِنْ اَوْلِیَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ[2]

(ترجمہ) اے ایمان والو! اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو تم میں اور تمہارے غیر میں خدا ایک فرق رکھ دے گا اور تمہیں پاک کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور تمہارا خدا صاحب فضل بزرگ ہے۔

یادداشت۔ دین مذہب صرف زبانی قصہ نہیں بلکہ جس طرح سونا اپنی علامتوں سے شناخت کیا جاتا ہے اسی طرح سچے مذہب کا پابند اپنی روشنی سے ظاہر ہوجاتا ہے۔

خدا ہلاک کرتا ہے اس شخص کو جو دلیل کے ساتھ ہلاک ہو چکا اور زندہ رکھتا ہے اُس شخص کو جو دلیل کے ساتھ زندہ ہے۔

وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ[3] صفحہ ۲۴۴۔ الانفال۔ نمبر ۱۰۔ اور اگر مخالف لوگ صلح کے واسطے جھکیں تو تم بھی جھک جاؤ اور خدا پر توکل کرو۔

وَ اِنْ یُّرِیْدُوْۤا اَنْ یَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ هُوَ الَّذِیْۤ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ[4] صفحہ ۲۴۴۔ سورۃ الانفال

اور اگر صلح کے وقت دل میں دغا رکھیں تو اُس دغا کے تدارک کے لئے خدا تجھے کافی ہے۔

﴿۷﴾ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْۤا اَیْمَانَهُمْ وَ هَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَ هُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ[5]

سورۃ التوبہ۔ صفحہ ۲۵۰۔ الجزو نمبر ۱۰

[1] الانفال:۳۰ [2] الانفال:۳۵ [3] الانفال:۶۲ [4] الانفال:۶۳ [5] التوبۃ:۱۳

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ [1] ۔صفحہ ۲۵۲۔سورۃ التوبہ۔الجزونمبر۱۰

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ [2] ۔صفحہ ۲۶۸ التوبہ نمبر ۱۰

التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ [3] ۔صفحہ ۲۷۱۔سورۃ التوبہ۔الجزونمبر۱۱۔

(ترجمہ)۔وہ لوگ خوش وقت ہیں جو سب کچھ چھوڑ کر خدا کی طرف رجوع کرتے ہیں اورخدا کی پرستش میں مشغول ہوتے ہیں اورخدا کی تعریف میں لگے رہتے ہیں۔اورخدا کی راہ کی منادی کے لئے دنیا میں پھرتے ہیں اور خدا کے آگے جھکے رہتے ہیں۔اور سجدہ کرتے ہیں۔وہی مومن ہیں جن کو نجات کی خوشخبری دی گئی ہے۔ ﴿۳۱۰﴾

خدا نے اپنے قانون قدرت میں مصائب کو پانچ قسم پر منقسم کیا ہے۔یعنی آثار مصیبت کے جو خوف دلاتے ہیں۔اور پھر مصیبت کے اندر قدم رکھنا۔اور پھر ایسی حالت جب نومیدی پیدا ہوتی ہے۔اور پھر زمانہ تاریک مصیبت کا۔اور پھر صبح رحمت الٰہی کی یہ پانچ وقت ہیں جن کے نمونہ پانچ نمازیں ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ. كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ [4] ۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ [5] ۔

---

[1] التوبۃ:۲۴ [2] التوبۃ:۱۰۳ [3] التوبۃ:۱۱۲ [4] الصّف:۳،۴ [5] الانعام:۲۲

﴿۸﴾ ذیل میں چند اعتراضات اور چند حقائق درج کئے جاتے ہیں جو حضور علیہ السلام کی یادداشتوں میں جو مضمون کے متعلق آپ نے لکھی ہوئی تھیں ملے ہیں۔ان اعتراضات کو رد کرنے کا اور ان حقائق پر بموجب تعلیم قرآن روشنی ڈالنے کا آپ کا ارادہ تھا ایسا ہی بعض امور بدھ کی ایک کتاب سے لئے معلوم ہوتے ہیں جو اُن دنوں آپ کے زیر مطالعہ تھی۔جس کے متعلق آپ کچھ لکھنا چاہتے تھے۔

(۱) جتنی الہامی کتابیں ہیں ان میں کونسی ایسی نئی بات ہے جو پہلے معلوم نہ تھی۔

(۲) کس ایسی سائنس کے عقدہ کو نبیوں نے حل کیا جو پہلے لَایَنْحَلُّ تھا۔

(۳) نبیوں نے روح کی کیفیت و ماہیت کچھ نہیں بتلائی اور نہ آئندہ زندگی کا کچھ حال بتلایا نہ خدا کا ہی مفصل حال بیان کر سکے۔

فن طبعی میں نیند کو اسباب طبعیہ میں رکھا ہے۔لیکن انبیاء نے بیان کیا ہے کہ نیند کے اور اسباب تھے۔ اَمَنَةً نُّعَاسًا ۔

(۴) سابقہ مغالطوں کو رفع نہیں کیا۔اور نہ پیچیدہ مسائل کو سلجھایا۔ بلکہ اَور بھی الجھن میں ڈال دیا۔

(۵) بدھ کی تعلیم اخلاق سب سے اعلیٰ ہے۔

(۶) جس چیز سے انسان پیار کرتا ہے اس سے اگر جدا کیا جائے تو یہی اس کے لئے ایک عذاب ہو جاتا ہے۔

(۷) اور جس چیز سے اگر پیار کرے اگر وہ میسر آجائے تو یہی اس کی راحت کا موجب ہو جاتا ہے۔ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ[۱]۔

(۸) خواہش کا نابود کرنا ذریعہ نجات ہے۔

(۹) دنیا میں کبھی علم صحیح سے نجات ملتی ہے اور کبھی عمل صحیح سے نجات ملتی ہے اور کبھی قول صحیح سے نجات ملتی ہے اور کبھی فعل صحیح سے نجات ملتی ہے ۔ اور

[۱] سبا:۵۵

کبھی بنی نوع سے معاملہ پاک موجب نجات ہو جاتا ہے اور کبھی خدا سے معاملہ نیک
درد و دکھ چُھڑاتا ہے۔ اور کبھی ایک درد دُوسری دردوں کے لئے کفارہ ہو جاتی ہے۔

﴿۹﴾ (۱۰) سچ کہو جھوٹ نہ بولو۔ بیہودہ باتوں سے پرہیز کرو۔ اور اپنے فعل یا اپنے قول سے کسی کو
﴿صفحہ ۶۲﴾ نقصان مت پہنچاؤ۔ اپنی زندگی کو پاک رکھو غیبت نہ کرو۔ اور کسی پر بہتان مت
لگاؤ۔ نفسانی شہوات اپنے پر غالب نہ ہونے دو۔ کینہ اور حسد سے پرہیز کرو۔ بغض
سے اپنا دل صاف رکھو۔ اپنے دشمنوں سے بھی وہ معاملہ نہ کرو جو تم اپنے لئے پسند نہیں
کرتے۔ ایسی نصیحتیں دوسروں کو مت کرو جن کے تم پابند نہیں۔ معرفت کی ترقی میں
لگے رہو۔ جہل سے دل کو پاک کرو۔ جلدی سے کسی پر اعتراض مت کرو۔

﴿۶۹﴾ نفرت کرنے سے نفرت رفع نہیں ہوتی بلکہ اور بھی بڑھتی ہے۔ محبت نفرت کو ٹھنڈا کر کے
رفع کر دیتی ہے۔

﴿ے﴾ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ[1]۔ یعنی دلوں
کی پاکیزگی سچی قربانی ہے۔ گوشت اور خون سچی قربانی نہیں۔ جس جگہ عام لوگ جانوروں کی
قربانی کرتے ہیں خاص لوگ دلوں کو ذبح کرتے ہیں۔

مگر خدا نے یہ قربانیاں بھی بند نہیں کیں تا معلوم ہو کہ ان قربانیوں کا بھی انسان سے تعلق ہے۔

کتاب بدھ صفحہ ۹۷ خدا نے بہشت کی خوبیاں اس پیرایہ میں بیان کی ہیں جو عرب کے لوگوں کو چیزیں دل پسند
تھیں وہی بیان کر دی ہیں تا اس طرح پر ان کے دل اس طرف مائل ہو جائیں۔ اور دراصل وہ
چیزیں اور ہیں یہی چیزیں نہیں۔ مگر ضرور تھا کہ ایسا بیان کیا جاتا تا کہ دل مائل کئے جائیں۔
مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ[2]۔

وہ جو اپنی نفسانی خواہشات کے پورا کرنے میں لگا رہتا ہے وہ سراسر اپنی بیخ کنی کرتا ہے
لیکن وہ جو سچے راستہ پر چلتا ہے اس کا نہ صرف بدن بلکہ روح بھی نجات کو پہنچے گی۔

[1] الحج: ۳۸ [2] محمّد: ۱۶

وہ جو اپنی نفسانی خواہشات کے پورا کرنے میں لگا رہتا ہے وہ سراسر اپنی بیخ کنی کرتا ہے اور نہ صرف جسم کو ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ بلکہ روح کو بھی ہلاک کرتا ہے۔ مگر وہ جو راہ راست پر چلتا ہے اور نفسانی جذبات کا پیرو نہیں ہوتا۔ وہ نہ صرف اپنے بدن کو ہلاکت سے بچاتا ہے بلکہ «۱۰»
اپنی روح کو بھی نجات تک پہنچا دیتا ہے۔ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰىهَا وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰىهَا[1]۔

ایک گاؤں میں سَو گھر تھے اور صرف ایک گھر میں چراغ جلتا تھا۔ تب جب لوگوں کو معلوم ہوا تو وہ اپنے اپنے چراغ لے کر آئے اور سب نے اُس چراغ سے اپنے چراغ روشن کئے۔ اِسی طرح ایک روشنی سے کثرت ہوسکتی ہے۔ اِسی طرف اللہ تعالیٰ اشارہ کر کے فرماتا ہے۔ وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذۡنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيۡرًا[2]۔

انسان تو اپنی جان کا بھی مالک نہیں چہ جائیکہ وہ دولت کا مالک ہو۔ ایک چمچہ شربت کا مزہ نہیں پا سکتا اگرچہ کئی بار اس میں پڑتا ہے۔ شیرینی ہاتھوں کے ذریعہ سے منہ تک پہنچتی ہے لیکن ہاتھ شیرینی کا مزہ نہیں پا سکتے۔ اسی طرح جس کو خدا نے حواس نہیں دیئے وہ ذریعہ بن کر بھی کچھ فائدہ نہیں اٹھاتا۔ اَللّٰهُ اَعۡلَمُ حَيۡثُ يَجۡعَلُ رِسَالَتَهٗ[3]۔ صُمٌّۢ بُكۡمٌ عُمۡىٌ فَهُمۡ لَا يَرۡجِعُوۡنَ[4]۔

ایک بڑی لذّت چھوٹی لذّت سے غنی کر دیتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلَا بِذِكۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ[5] .... وَلَذِكۡرُ اللّٰهِ اَكۡبَرُ[6]۔

«صفحہ ۱۰۲» (۱) ایمان بیج ہے (۲) نیک کام مینہ ہے (۳) مجاہدات ہل ہیں جو جسمانی اور ظاہری طور پر کئے جاتے ہیں۔ نفس مرتاض بیل ہے جو نفس لوّامہ ہے۔ شریعت اس کے چلانے کے لئے ڈنڈا ہے اور وہ اناج جو اس سے پیدا ہوتا ہے وہ دائمی زندگی ہے۔

ذات سے خارج وہ ہوتا ہے جو نیک صفات سے خالی ہو کیونکہ انسان کی نیک صفات ہی اُس کی ذات ہے۔ اپنے دل کے جذبات کو سمجھنے والے بہت کم ہوتے ہیں۔

[1] الشمس: ۱۰، ۱۱ [2] الاحزاب: ۴۷ [3] الانعام: ۱۲۵ [4] البقرۃ: ۱۹ [5] الرعد: ۲۹ [6] العنکبوت: ۴۶

وہ جن چیزوں میں اپنی خوشحالی دیکھتے ہیں درحقیقت وہ خوشحالی کا موجب نہیں ہوتیں۔

جوشخص بدی کے مقابل پر بدی نہیں کرتا اور معاف کرتا ہے وہ بلا شبہ تعریف کے لائق ہے۔مگراس سے زیادہ وہ شخص تعریف کے لائق ہے جوعفو یا انتقام کا مقید نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہوکر مناسب وقت کام کرتا ہے۔کیونکہ خدا بھی ہر ایک کے مناسب حال کام کرتا ہے جو سزا کے لائق ہے اس کو سزا دیتا ہے جو معافی کے لائق ہے اس کو معافی دیتا ہے۔جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ[1]۔ ﴿۱۱﴾

دنیا میں دوفرقے بہت ہیں۔ایک تو وہ جو عدل کو پسند کرتے ہیں۔اور دوسرے وہ جو احسان کو بنظر استحسان دیکھتے ہیں۔اور تیسرا فرقہ وہ ہے جو سچی ہمدردی اس قدر ان پر غالب آجاتی ہے کہ وہ عدل اور احسان کا پابند نہیں رہتا۔بلکہ سچی ہمدردی کی رہنمائی سے مناسب وقت عمل کرتا ہے۔جیسا کہ ماں اپنے بچہ کے ساتھ سلوک کرتی ہے کہ شیریں اور لذیذ غذائیں بھی اس کو اور پھر مناسب وقت پر تلخ دوا بھی دیتی ہے اور دونوں حالتوں میں اس کی..

میرے بیان میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہوگا جو گورنمنٹ انگریزی کے برخلاف ہو۔اور ہم اس گورنمنٹ کے شکر گذار ہیں کیونکہ ہم نے اس سے امن اور آرام پایا ہے۔میں اپنے دعویٰ کی نسبت اس قدر بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں اپنی طرف سے نہیں بلکہ خدا کے انتخاب سے بھیجا گیا ہوں تا میں مغالطوں کو رفع کروں اور پیچیدہ مسائل کو صاف کردوں اور اسلام کی روشنی دوسری قوموں کو دکھلاؤں۔اور یاد رہے کہ جیسا کہ ہمارے مخالف ایک مکروہ صورت اسلام کی دکھلا رہے ہیں۔یہ صورت اسلام کی نہیں ہے بلکہ وہ ایک ایسا چمکتا ہوا ہیرا ہے جس کا ہر ایک گوشہ چمک رہا ہے اور جیسا کہ ایک بڑے محل میں بہت سے چراغ ہوں اور کوئی چراغ کسی دریچہ سے نظر آوے اور کوئی کسی کونہ سے۔یہی حال

[1] الشوریٰ:۴۱

اسلام کا ہے کہ اُس کی آسمانی روشنی صرف ایک ہی طرف سے نظر نہیں آتی بلکہ ہر ایک طرف سے اس کے ابدی چراغ نمایاں ہیں۔ اُس کی تعلیم بجائے خود ایک چراغ ہے اور اس کی قوت روحانی بجائے خود ایک چراغ ہے اور اس کے ساتھ جو خدا کی نصرت کے نشان ہیں وہ ہر ایک نشان چراغ ہے۔ اور جو شخص اس کی سچائی کے اظہار کے لئے خدا کی طرف سے آتا ہے وہ بھی ایک چراغ ہوتا ہے۔ میرا بڑا حصہ عمر کا مختلف قوموں کی کتابوں کے دیکھنے میں گذرا ہے مگر میں سچ سچ کہتا ہوں کہ میں نے کسی دوسرے مذہب کی کسی تعلیم کو خواہ اس کا عقائد کا حصہ اور خواہ اخلاقی حصہ اور خواہ تدبیر منزلی اور سیاست مدنی کا حصہ اور خواہ اعمال صالحہ کی تقسیم کا حصہ ہو قرآن شریف کے بیان کے ہم پہلو نہیں پایا اور یہ قول میرا اس لئے نہیں کہ میں ایک شخص مسلمان ہوں بلکہ سچائی مجھے مجبور کرتی ہے کہ میں یہ گواہی دوں اور یہ میری گواہی بے وقت نہیں بلکہ ایسے وقت میں ہے جب کہ دنیا میں مذاہب کی کُشتی شروع ہے۔ مجھے خبر دی گئی ہے کہ اس کُشتی میں آخر کار اسلام کو غلبہ ہے۔ میں زمین کی باتیں نہیں کہتا کیونکہ میں زمین سے نہیں ہوں بلکہ میں وہی کہتا ہوں جو خدا نے میرے مُنہ میں ڈالا ہے زمین کے لوگ خیال کرتے ہوں گے کہ شاید انجام کار عیسائی مذہب دنیا میں پھیل جائے یا بدھ مذہب تمام دنیا پر حاوی ہو جائے مگر وہ اس خیال میں غلطی پر ہیں۔ یاد رہے کہ ﴿۱۲﴾
زمین پر کوئی بات ظہور میں نہیں آتی جب تک وہ بات آسمان پر قرار نہ پائے۔ سو آسمان کا خدا مجھے بتلاتا ہے کہ آخر اسلام کا مذہب دلوں کو فتح کرے گا۔ اس مذہبی جنگ میں مجھے حکم ہے کہ میں حکم کے طالبوں کو ڈراؤں۔ اور میری مثال اس شخص کی ہے جو ایک خطرناک ڈاکوؤں کے گروہ کی خبر دیتا ہے جو ایک گاؤں کی غفلت کی حالت میں اس پر ڈاکہ مارنا چاہتے ہیں۔ پس جو شخص اُس کی سنتا ہے وہ اپنا مال اُن ڈاکوؤں کی دستبرد سے بچالیتا ہے اور جو نہیں سنتا وہ غارت کیا جاتا ہے۔ ہمارے وقت میں دو قسم کے ڈاکو ہیں

کچھ تو باہر کی راہ سے آتے ہیں اور کچھ اندر کی راہ سے۔اور وہی مارا جاتا ہے جو اپنے مال کو محفوظ جگہ میں نہیں رکھتا۔اس زمانہ میں ایمانی مال کے بچانے کے لئے محفوظ جگہ یہ ہے کہ اسلام کی خوبیوں کا علم ہو۔اسلام کی قوت روحانی کا علم ہو۔اسلام کے زندہ معجزات کا علم ہو اور اس شخص کا علم ہو جو اسلامی بھیڑوں کے لئے بطور گلہ بان مقرر کیا جائے۔کیونکہ پرانا بھیڑیا اب تک زندہ ہے وہ مرا نہیں ہے۔وہ جس بھیڑ کو اُس کے چرانے والے سے دور دیکھے گا وہ ضرور اس کو لے جائے گا۔

اے بندگانِ خدا! آپ لوگ جانتے ہیں کہ جب امساک باراں ہوتا ہے اور ایک مدت تک مینہ نہیں برستا تو اس کا آخری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کوئیں بھی خشک ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔پس جس طرح جسمانی طور پر آسمانی پانی بھی زمین کے پانیوں میں جوش پیدا کرتا ہے اِسی طرح روحانی طور پر جو آسمانی پانی ہے (یعنی **خدا کی وحی**) وہی سفلی عقلوں کو تازگی بخشتا ہے۔سو یہ زمانہ بھی اس **روحانی پانی** کا محتاج تھا۔

میں اپنے دعوے کی نسبت اس قدر بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں **عین ضرورت کے** وقت خدا کی طرف سے بھیجا گیا ہوں۔جبکہ اس زمانہ میں بہتوں نے یہود کا رنگ پکڑا۔ اور نہ صرف **تقویٰ اور طہارت** کو چھوڑا بلکہ ان یہود کی طرح جو حضرت عیسیٰ کے وقت میں تھے سچائی کے دشمن ہو گئے تب بالمقابل خدا نے میرا نام **مسیح** رکھ دیا۔نہ صرف یہ ہے کہ میں اس زمانہ کے لوگوں کو اپنی طرف بلاتا ہوں بلکہ خود زمانے نے **مجھے بُلایا ہے۔**

خطبات امام

○

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

فرمودہ مورخہ 20؍جنوری 2017ء

نماز کی اہمیت اور نماز باجماعت کے قیام کی طرف خصوصی توجہ

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ
أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ اِيَّا كَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِالْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔

ہم میں سے کون نہیں جانتا کہ مسلمانوں پر نماز فرض ہے۔ قرآن کریم میں متعدد جگہ نماز کی اہمیت مختلف حوالوں سے بیان کر کے اس طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ نماز عبادت کا مغز ہے۔

(ماخوذ از سنن الترمذی کتاب الدعوات باب ماجاء فی فضل الدعاء حدیث 3371)

بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا کہ نماز کو چھوڑنا انسان کو کفر اور شرک کے قریب کر دیتا ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان اطلاق اسم الکفر علی من ترک الصلاۃ حدیث 149)

پھر آپؐ نے نماز کی اہمیت بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جس چیز کا بندوں سے حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے۔ اگر تو یہ حساب ٹھیک رہا تو کامیاب ہو گیا اور نجات پالی ورنہ گھاٹا پایا، نقصان اٹھایا۔ (سنن الترمذی ابواب الصلاۃ باب ماجاء ان اول مایحاسب......حدیث 413)

پھر بچوں کو بھی نماز کا پابند بنانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور فرمایا کہ سات سال کی عمر کو پہنچنے پر بچے کو نماز کی تلقین کرو اور دس سال کی عمر میں اس کو نماز کا پابند کرنے کے لئے کوئی سختی بھی کرنی پڑے تو کرو۔ (سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ باب متی یؤمر الغلام بالصلاۃ حدیث 495)

اگر ماں باپ ہی نمازوں کے پابند نہ ہوں گے تو بچوں کو کس طرح کہہ سکتے ہیں یا اگر بچے اپنے اجلاسوں یا مختلف ذریعوں سے یہ حدیث سن لیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن لیں لیکن گھر میں وہ اپنے باپوں کو نمازوں کا پابند نہ دیکھیں تو ان پر کیا اثر ہوگا؟ یقیناً ایسے باپوں کے بچے یہ خیال کریں گے کہ اس حکم کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ بلکہ ایک حکم کی اہمیت کو نظر انداز کرنے سے بچے کے دل پر ہر اسلامی حکم کی اہمیت کا اثر ختم ہو جائے گا۔ ایسے لوگ نہ صرف پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق خود گھاٹا پانے والوں میں شامل ہو رہے ہوتے ہیں بلکہ اپنی اولاد کو بھی گھاٹا پانے والوں میں شامل کروا رہے ہوتے ہیں۔ دنیاوی خواہشات کے پورا کرنے کے لئے بچوں کی دنیاوی ترقی کے لئے تو ماں باپ فکر کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں لیکن جو اصل فکر کا مقام ہے اس کی پرواہ بھی نہیں ہوتی۔

پھر ایک حقیقی مومن کے لئے صرف نماز ہی ضروری نہیں ہے جس سے اس کا روحانی میل کچیل دُور ہوتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر کسی کے دروازے کے پاس سے نہر گزر رہی ہو اور وہ اس میں پانچ بار روزانہ نہائے تو اس کے جسم پر کوئی میل رہ

جائے گی؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یقیناً کوئی میل نہیں رہے گی۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ گناہ معاف کرتا اور کمزوریاں دور کرتا ہے۔ (صحیح البخاری کتاب مواقیت الصلاۃ باب الصلوات الخمس کفارۃ حدیث 528)۔ پانچ نمازیں پڑھنے والے کی روح پر کوئی میل نہیں رہتی۔

پس یہ ہے نماز کی اہمیت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خوبصورت مثال کے ذریعہ بیان فرمائی ہے۔ لیکن جیسا کہ مَیں نے کہا صرف نماز پڑھنے کا ہی حکم نہیں ہے بلکہ حقیقی مومن مردوں کو اس روح کی میل اتارنے کے لئے مزید وضاحت فرمائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے گھر سے وضو کیا پھر وہ اللہ تعالیٰ کے گھر یعنی مسجد کی طرف گیا تاکہ وہاں فرض نماز ادا کرے تو مسجد کی طرف جاتے ہوئے جتنے قدم اس نے اٹھائے ان میں سے اگر ایک قدم سے اس کا ایک گناہ معاف ہوگا تو دوسرے قدم سے اس کا ایک درجہ بلند ہوگا۔ یعنی ہر قدم ہی اسے ثواب دینے والا ہے۔

(صحیح مسلم کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ باب المشی الی الصلاۃ......حدیث 1406)

پھر ایک موقع پر باجماعت نماز کی اہمیت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا کہ کیا مَیں تمہیں وہ بات نہ بتاؤں جس سے اللہ تعالیٰ گناہ مٹا دیتا ہے اور درجات بلند کرتا ہے؟ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے جو ہر وقت اس بات کے لئے بے چین تھے کہ ہمیں کب کوئی موقع ملے اور ہم اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کریں، اس کو راضی کرنے کے طریقے سیکھیں، اس کا قرب حاصل کریں، اپنے گناہوں سے دوریاں پیدا کریں، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ضرور بتائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دل نہ چاہنے کے باوجود خوب اچھی طرح وضو کرنا اور مسجد میں دُور سے چل کر آنا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا یہ گناہوں سے دُوریاں پیدا کرتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اتنا ہی نہیں یہ ایک قسم کا رباط ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الطھارۃ باب فضل اسباغ الوضوء علی المکارہ حدیث 475)۔ یعنی سرحد پر چھاؤنیاں قائم کرنے کے

برابر ہے۔جس طرح ملک اپنی حفاظت کے لئے سرحدوں پر چھاؤنیاں بناتے ہیں،فوجیں رکھتے ہیں یہ اسی طرح ہے۔

سرحدوں پر چھاؤنیاں کیوں قائم کی جاتی ہیں؟ جیسا کہ مَیں نے کہا اپنے ملک کی حفاظت کے لئے۔ اس لئے تا کہ دشمن کے حملے سے محفوظ رہا جائے اور حملے کی صورت میں فوراً مقابلے کے لئے تیار ہوا جا سکے۔

پس ایک مومن کو سب سے بڑا خطرہ جس سے بچنے کے لئے اس کو ضرورت ہے،جس کے بچنے کے لئے چھاؤنی قائم کرنے کی ضرورت ہے وہ خطرہ شیطان کا ہے۔دنیاوی خواہشات کا خطرہ ہے جو شیطان دل میں پیدا کرتا ہے۔ان کے ذریعہ سے شیطان حملہ کرتا ہے۔پس ان سے بچنے کے لئے نماز باجماعت کی چھاؤنی ہے۔یہی محافظوں کا دستہ ہے جو شیطان کے حملوں سے بچائے گا۔گناہوں سے انسان بچے گا اور نیکیوں کی طرف توجہ پیدا ہو گی۔

اسی طرح نماز باجماعت میں اکیلے نماز پڑھنے کی نسبت 27 گنا زیادہ ثواب ہے۔اس کے بارے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

(صحیح البخاری کتاب الاذان باب فضل صلاۃ الجماعۃ......حدیث 645)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام باجماعت نماز کی اہمیت بیان فرماتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

’’نماز میں جو جماعت کا زیادہ ثواب رکھا ہے‘‘ (یعنی نماز باجماعت میں جو زیادہ ثواب رکھا ہے) ’’اس میں یہی غرض ہے کہ وحدت پیدا ہوتی ہے۔اور پھر اس وحدت کو عملی رنگ میں لانے کی یہاں تک ہدایت اور تاکید ہے کہ باہم پاؤں بھی مساوی ہوں۔‘‘ (یعنی پاؤں بھی جب سیدھے صف میں کھڑے ہوں تو برابر ہوں۔اس کے لئے ایڑھیاں برابر کی جاتی ہیں۔)’’اور صف سیدھی ہو اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں۔اس سے مطلب یہ ہے کہ گویا ایک ہی انسان کا حکم رکھیں‘‘۔(صف بندی ہو گی تو ایک

انسان کی طرح بن جائیں گی۔یعنی اس میں طاقت پیدا ہوگی۔ ’’اور ایک کے انوار دوسرے میں سرایت کر سکیں‘‘۔فرمایا ’’وہ تمیز جس سے خودی اور خودغرضی پیدا ہوتی ہے نہ رہے‘‘۔(یعنی امیر بھی،غریب بھی سب ایک صف میں کھڑے ہوں گے۔بعض لوگوں کے دماغوں میں خودی ہوتی ہے یا خودغرضی ہوتی ہے اس کو باجماعت نماز ختم کرتی ہے۔) فرمایا کہ ’’یہ خوب یاد رکھو کہ انسان میں یہ قوت ہے کہ وہ دوسرے کے انوار کو جذب کرتا ہے‘‘۔(ملفوظات جلد 8 صفحہ 247-248۔ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان) (کسی میں نیکی کا زیادہ اثر ہے۔نیکیوں کے اچھے اونچے مقام پر ہے تو دوسرا بھی اس اثر کو قبول کرے گا)

پس نیکیوں کے اثر کو قبول کرنے کے لئے باجماعت نماز بھی فائدہ دیتی ہے۔پس نماز باجماعت سے جہاں ایک وحدت کا اظہار ہے جو اللہ تعالیٰ اُمّت میں پیدا کرنا چاہتا ہے وہاں ایک دوسرے کی نیکیوں کا بھی اثر ہوتا ہے۔جب ایک ہی صف میں زیادہ نیکیاں بجالانے والے اور روحانی لحاظ سے بڑھے ہوئے اور اسی طرح کمزور لوگ جو ہیں وہ بھی کھڑے ہوں گے تو کمزوروں پر نیکیوں کا اثر پڑے گا اور ان میں بھی نیکیوں میں بڑھنے اور ترقی کرنے اور روحانیت کے بڑھانے کی قوت بڑھے گی اور جب یہ وحدت پیدا ہوتی ہے اور جب روحانیت بڑھتی ہے تو پھر شیطانی طاقتیں کمزور ہو جاتی ہیں۔اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام صادق کو بھیجا جنہوں نے ہمیں عبادتوں اور نمازوں کا صحیح اِدراک پیدا کرنے کی طرف رہنمائی فرمائی۔پس اگر ہم ایک طرف تو یہ دعویٰ کریں کہ ہم نے اپنی روحانی حالت کی بہتری اور وحدت کے قیام کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامِ صادق اور مسیح موعود اور مہدی معہود کو مان لیا ہے اور دوسری طرف ہمارے عملوں اور خاص طور پر بنیادی اسلامی حکم کے بجالانے میں کمزوری ہو۔جو بنیادی فرض ہے اس میں کمزوری ہو۔اس چیز میں کمزوری ہو جو ہماری پیدائش کا مقصد ہے۔اس مقصد کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو کم از کم معیار مقرر فرمایا ہے اس چیز میں کمزوری ہو تو ہم کس طرح دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم نے اپنی روحانی حالت کی ترقی اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر چلنے کے لئے آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ماناہے۔

جیسا کہ مَیں نے بتایا کہ قرآن کریم میں بھی متعدد جگہ پانچ نمازوں کی فرضیت بیان ہوئی ہے، اہمیت بیان ہوئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بھی بڑے واضح ہیں جو میں نے بیان کئے ہیں۔ یہ نمازیں تو ہر احمدی کے لئے ضروری ہیں ہی لیکن ساتھ ہی جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باجماعت نماز کی اہمیت بیان فرمائی ہے ہر عاقل (عقل رکھنے والے) بالغ مرد پر باجماعت نماز فرض ہے۔ لیکن اس کی طرف ہم دیکھتے ہیں کہ پوری توجہ نہیں ہے اور کمزوری ہے۔ بیشک ایک حقیقی مومن پر نماز فرض ہے اور اس بات کا اسے خود خیال رکھنا چاہئے لیکن جماعت میں ایک نظام بھی قائم ہے اس نظام کو بھی اس طرف توجہ دلاتے رہنا چاہئے۔ اس کی حقیقت واضح کرتے رہنا چاہئے۔ مَیں اکثر خطبات میں اس طرف توجہ دلاتا رہتا ہوں۔ کسی نہ کسی حوالے سے نمازوں کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ لیکن پھر اسے آگے پھیلانا مربیان اور نظام جماعت کا کام ہے کہ توجہ دلائیں۔ ہر فرد جماعت تک نماز کی اہمیت کا پیغام بار بار پہنچائیں۔ حقیقت میں تو ہم احمدی ہونے کا حق اس وقت ادا کر سکیں گے جب ہم اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہوئے ان سے روحانی حظّ اٹھانے والے ہوں گے اور جب یہ روحانی سرور اور حظّ حاصل ہونا شروع ہو جائے گا تو پھر نمازوں کی ادائیگی کی طرف خود بخود توجہ پیدا ہو جائے گی۔

پس اس طرف جیسا کہ مَیں نے کہا ہر احمدی کو خود توجہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ کس طرح ہم نے اپنی نماز پڑھنی ہے۔ ایسی نماز پڑھنی ہے جو ہمیں دلی سرور دلوا سکے، جو ہمیں لذّت عطا کرے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نماز کی ادائیگی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہ کس طرح یہ سرور حاصل ہو سکتا ہے۔ آپ نے مثال دی فرمایا کہ ''مَیں دیکھتا ہوں کہ ایک شرابی اور نشہ باز انسان کو جب سرور نہیں آتا تو وہ پے در پے پیتا جاتا ہے۔'' (نشہ حاصل کرنے کے لئے شراب پیتا چلا جاتا ہے) ''یہاں تک کہ اس کو ایک قسم کا نشہ آ جاتا ہے۔'' فرمایا کہ ''دانشمند اور زِیرک انسان اِس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔'' (یعنی اس

مثال سے اگر کوئی عقلمند انسان ہے تو وہ فائدہ اٹھا سکتا ہے)''اور وہ یہ'' (کس طرح فائدہ اٹھانا ہے اپنی روحانیت کو تیز کرنے کے لئے نمازوں کی طرف توجہ دینے کے لئے)'' کہ نماز پر دوام کرے۔'' (نماز میں باقاعدگی اختیار کرے اور کبھی نہ چھوڑے۔) فرمایا'' اور پڑھتا جاوے یہاں تک کہ اس کو سرور آ جائے۔ اور جیسے شرابی کے ذہن میں ایک لذت ہوتی ہے جس کا حاصل کرنا اُس کا مقصود بالذات ہوتا ہے۔'' شرابی جب شراب پیتا ہے تو اس نے ذہن میں اپنا کوئی ایک معیار مقرر کیا ہوتا ہے کہ میں نے یہ لذت حاصل کرنی ہے۔ فرمایا کہ جو معیار وہ اپنے نشے کے لئے حاصل کرتا ہے تو ایک روحانی شخص کو، ایک مومن کو بھی اپنا کوئی مقصود بنانا چاہئے جس کو اس نے نماز کے لئے حاصل کرنا ہے اور اسی طرح بار بار مستقل مزاجی سے کوشش ہو گی تو تبھی سرور حاصل ہو سکتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ'' اسی طرح سے ذہن میں اور ساری طاقتوں کا رجحان نماز میں اسی سرور کو حاصل کرنا ہو۔'' ایک نمازی جب نماز پڑھے تو ذہن میں یہ بات رکھے اور اپنی جو بھی توجہ ہے اور جتنی طاقتیں ہیں ان کو نماز پڑھتے ہوئے استعمال کرے کہ میں نے یہ سرور حاصل کرنا ہے اور اس کے لئے قوت ارادی کو بڑھانے کی ضرورت ہے۔ اگر قوت ارادی ہو گی تو پھر ہی مستقل مزاجی بھی رہ سکے گی۔ آپ فرماتے ہیں کہ'' اور پھر ایک خلوص اور جوش کے ساتھ کم از کم اس نشہ باز کے اضطراب اور قلق اور کرب کی مانند ہی ایک دعا پیدا ہو کر وہ لذت حاصل ہو تو مَیں کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں ...... کہ یقیناً یقیناً وہ لذت حاصل ہو جائے گی''۔ پھر ایک درد اور فکر ہو گی۔ ایک کرب ہو گا۔ ایک بے چینی ہو گی کہ کاش مجھے نماز میں سرور حاصل ہو۔ نماز پڑھتے ہوئے اس بے چینی کا بار بار اللہ تعالیٰ کے آگے اظہار ہو تو آپ فرماتے ہیں کہ یقیناً پھر وہ سرور حاصل ہو جائے گا، لذت حاصل ہو جائے گی۔

(ملفوظات جلد 9 صفحہ 7-8۔ ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

پس مستقل مزاجی کے ساتھ نماز میں اس کا مزہ لینے کی کوشش آخر ایک وقت میں دل کو پگھلا کر وہ مزہ دے دیتی ہے۔ آپ نے اس بات کی بھی تاکید فرمائی اور وضاحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نماز

فواحش اور برائیوں سے بچاتی ہے۔لیکن اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں، لوگ سوال بھی کرتے ہیں کہ باوجود نماز پڑھنے کے لوگ بدیاں کرتے ہیں، برائیاں کرتے ہیں۔تو آپ فرماتے ہیں کہ اس کا جواب یہ ہے کہ روح اور سچائی کے ساتھ نمازیں نہیں پڑھتے بلکہ صرف رسم اور عادت کے طور پر ٹکّریں مارتے ہیں۔

(ماخوذ از ملفوظات جلد 9 صفحہ 8۔ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

پس ہمیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ نماز برائیوں سے بچاتی ہے تو یقیناً یہ سچ ہے۔اللہ تعالیٰ کا کلام جھوٹا نہیں ہوسکتا۔جن لوگوں میں نمازیں پڑھنے کے باوجود برائیاں قائم رہتی ہیں ان کی نمازیں صرف ظاہری نمازیں ہوتی ہیں وہ اس کی روح کو نہیں سمجھتے۔پس یہ بہت ہی قابل فکر بات ہے جس پر ہم میں سے ہر ایک کو اپنی حالت کا جائزہ لینا چاہئے۔اگر ہمیں لذت و سرور آ رہا ہو یا یہ پکا ارادہ ہو کہ میں نے لذت اور سرور حاصل کرنا ہے تو کس طرح ہوسکتا ہے کہ ہم میں سے کوئی اپنی نمازوں میں باقاعدگی اختیار نہ کرے۔ہر ایک کو کبھی نہ کبھی اس لذت و سرور کا تجربہ ہوجاتا ہے اور ہوا ہوگا۔مشکل اور پریشانی میں جب کوئی ہوتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ نمازوں میں بہت سے ایسے ہیں جو بڑے روتے ہیں، گڑگڑاتے ہیں۔چلتے پھرتے بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔اس کی طرف توجہ رہتی ہے اور اسی وجہ سے پھر عبادت کی طرف بھی توجہ رہتی ہے تو کوئی نہ کوئی ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے اور کچھ نہ کچھ توجہ پیدا ہو رہی ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ تکلیف کی صورت میں مستقل دعاؤں میں لگے رہتے ہیں۔لیکن جب اپنی خواہشات پوری ہو جائیں، جب مشکلات سے نکل جائیں تو پھر بہت سارے ایسے ہیں جن کی نمازوں میں، عاجزانہ دعاؤں میں سستی پیدا ہو جاتی ہے۔پس جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ہمیں مسلسل کوشش سے اپنے سامنے یہ ٹارگٹ رکھنا ہے کہ چاہے حالات اچھے ہوں یا برے، تنگی میں بھی اور کشائش میں بھی اس لذت و سرور کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی ہے جو نشہ کی کیفیت طاری کردے اور صرف ذاتی حالات ہی نہیں ایک مومن کو تو معاشرے کے عمومی حالات بھی جو ہیں وہ بھی درد پیدا کرنے

والے ہونے چاہئیں اور جب یہ درد کی کیفیت ہوتی ہے تو پھر درد سے دعائیں بھی نکلتی ہیں۔ پاکستان میں مثلاً جماعتی حالات بہت خراب ہیں۔ ہر طرف سے افراد جماعت کے خلاف نفرتوں کے تیر برسائے جا رہے ہیں۔ بغضوں اور کینوں کے اظہار ہو رہے ہیں۔ مُلّاؤں کے خوف سے یا ان کی باتوں سے غلط فہمی پیدا ہونے کی وجہ سے پرانے تعلق والے غیر از جماعت بھی بعض جگہ مخالفتوں میں بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ عمومی طور پر بھی دیکھیں تو ان ظلموں کی انتہا ہو چکی ہے۔ ایسے میں پاکستان میں تو ہر احمدی کو جہاں لذت و سرور والی نمازیں پڑھنے کی کوشش کرنی چاہئے وہاں مسجدوں کو آباد کرنے کی طرف بھی توجہ دینی چاہئے۔

گزشتہ دنوں خدام الاحمدیہ پاکستان کی طرف سے شوریٰ کے فیصلہ جات کی تعمیل کی ایک رپورٹ آئی جس میں انہوں نے لکھا کہ تعداد کے لحاظ سے تربیتی فیصلہ جات میں ہم نے یہ یہ کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ بڑی اچھی بات ہے۔ ترقی کی طرف قدم بڑھے ہیں۔ ان تربیتی امور کی بہت سی باتوں میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ میرا خطبہ جمعہ سننے کی طرف اتنے ہزار خدّام کی توجہ پیدا ہوئی ہے۔ لیکن جو قابل فکر بات ہے وہ یہ کہ نماز باجماعت کے عادی جمعہ کا خطبہ سننے والوں کا قریباً تیسرا حصہ تھے یا اس سے تھوڑا سا زیادہ تھے۔ اسی طرح نمازوں کے عادی خدّام کی تعداد بھی خطبہ سننے والوں سے کافی کم تھی۔ ایسا خطبہ سننے کا کیا فائدہ جس سے ہماری توجہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف نہ ہو اور اس بنیادی فرض کی طرف نہ ہو جو انتہائی ضروری ہے۔

جیسا کہ میں نے کہا کہ میں تو ہر دوسرے تیسرے خطبہ میں نماز باجماعت یا عبادت کے بارے میں بات کرتا ہوں۔ اگر اس کا اثر ہی نہیں ہونا تو صرف تعداد کی خانہ پوری کرنے کا تو کوئی فائدہ نہیں ہے۔ پاکستان میں جیسے احمدیوں کے حالات مَیں نے بیان کئے ہیں اگر اس کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ پیدا نہیں ہوگی تو پھر کب ہوگی؟ کیا ہم اللہ تعالیٰ کا نعوذ باللہ امتحان لینا چاہتے ہیں کہ ہم نے تو ایسے ہی رہنا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے کہ ہمارے حالات بدلے۔ اگر یہی اظہار ہونے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ سے شکوے کا

کوئی حق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہیں نہیں فرمایا کہ تم جو چاہے کرتے رہو، میرے حق ادا کرو یا نہ کرو کیونکہ تم نے مسیح موعود کو مان لیا ہے اس لئے مَیں تمہیں کامیابیاں دوں گا۔ کامیابیاں حاصل کرنے کے لئے اپنی حالتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ڈھالنے کی ضرورت ہے۔

خدّام کی رپورٹ کا مَیں نے ذکر کیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ کمزوری صرف خدام الاحمدیہ میں ہے۔ انصار کا بھی یہی حال ہے۔ پس پاکستان کے ہر احمدی کو اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ کامیابیاں سونے سے نہیں ملیں گی۔ کامیابیاں لاپرواہی سے نہیں ملیں گی۔ کامیابیاں سرحدوں پر گھوڑے باندھنے اور چھاؤنیاں قائم کرنے سے ملیں گی۔ پاکستان سے نکل کے جو لوگ باہر آئے ہوئے ہیں یا عمومی طور پر ہر جگہ جماعت میں ان ترقی یافتہ ممالک میں بھی اور باقی دنیا میں بھی ان کی حالت بھی یہی ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ باہر آکر بڑے نمازی ہو گئے یا ہر جگہ نمازی ہیں۔ جماعتوں کا جائزہ لیں تو نمازوں کے معاملہ میں بہت ساری کمزوریاں نظر آئیں گی۔ انصاف سے اگر ہر ملک میں ہر تنظیم اپنے جائزے لے تو نتائج خود بخود سامنے آ جائیں گے۔ لیکن پاکستان سے باہر آئے ہوئے لوگ جو ہیں ان کو خاص طور پر یہ خیال رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو فضل کئے ہیں اس کا شکریہ بھی ادا کرنا ہے۔ اس کا اظہار کس طرح کرنا ہے۔

بعض جماعتوں میں نمازوں کی اچھی حاضری ہوتی ہے لیکن پھر بھی کوئی نہ کوئی نماز کسی نہ کسی کی ضائع ہو رہی ہوتی ہے اور کئی ایسے ہیں جو بعض دفعہ ایک آدھ نماز نہیں بھی پڑھتے۔ اور اس کی ایک وجہ جیسا کہ میں نے کہا یہ بھی ہے کہ نظام اس کی طرف توجہ نہیں دلاتا اور نظام کی بھی دوسری ترجیحات ہیں۔ میرے خطبات اوّل تو ہر ایک سنتا ہی نہیں۔ یہ کہنا کہ سو فیصد لوگ سنتے ہیں یہ بھی غلط ہے۔ اور اگر سن بھی لیں تو پھر بھی مستقل یاددہانی کروانا نظام جماعت کا کام ہے۔ اس لئے نظام قائم کیا گیا ہے کہ تربیت کی طرف توجہ ہو۔

گزشتہ دنوں یہاں کی ایک جماعت کی مجلس عاملہ سے ملاقات تھی تو صدر صاحب نے بتایا کہ جب سے مَیں صدر بنا ہوں مالی نظام کی طرف میں نے بہت توجہ کی ہے اور اب ہم اس میں بہت تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ تو مَیں نے انہیں کہا کہ ٹھیک ہے یہ کوشش تو آپ نے کی لیکن ایک مومن کے لئے جو بنیادی چیز ہے اور فرض ہے یعنی نماز۔ اس کے لئے آپ نے کیا کوشش کی؟ تو اس بارہ میں خاموشی تھی۔ گو فجر اور عشاء کی نماز کی حاضری کے بارے میں مَیں نے جو استفسار کیا اور جائزہ لیا تو اس میں جو اعداد و شمار سامنے آئے کافی بہتر تھے۔ لیکن نظام کی اس میں کوئی کوشش نہیں تھی۔ اگر لذّت و سرور پیدا کرنے والے نمازی پیدا ہو جائیں گے تو مالی نظام خود بخود ٹھیک ہو جائے گا کیونکہ تقویٰ کا معیار بڑھنے سے ہی مالی قربانی کی طرف بھی توجہ پیدا ہوتی ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ امور عامہ اور قضا کے جو مسائل ہیں وہ بھی بہت حد تک حل ہو جائیں گے بلکہ اگر سارے نمازیں صحیح طرح ادا کرنی شروع کر دیں تو باقی شعبہ جات بھی ایکٹو (active) ہو جائیں گے۔

اور آجکل تو صرف پاکستان ہی نہیں دنیا کے عمومی حالات ایسے ہیں کہ جنگ اور تباہی کا خطرہ بڑی تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ حکومتوں نے بھی اب اس کا اظہار کرنا شروع کر دیا ہے اور اس کے لئے کچھ نہ کچھ حد تک کارروائیاں بھی شروع کر دی ہیں۔ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کی پناہ ہی ہے جو بچائے گی۔

بہت سے لوگ لکھتے ہیں کہ جنگ شروع ہو گی تو کیا ہو گا؟ ہم کیا کریں؟ تو ان کو یہی جواب ہے کہ اگر ان خطروں سے بچنا ہے تو پھر جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے خدائے ذوالعجائب سے پیار کرنا ہو گا۔ اور اس پیار کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اپنی نمازوں اور اپنی عبادتوں کو اس کے حکم کے مطابق ڈھالتے ہوئے ہم لذّت و سرور پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اکثر لوگ ان ممالک میں آ کر دنیاوی کشائش دیکھ کر خدا تعالیٰ کو بھلا دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں یہ کشائش انہیں ان ملکوں کی ترقی کی وجہ سے ملی ہے۔ اور یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ لوگ اتنے ترقی یافتہ ہیں لیکن ان کے کون سے ایسے عمل ہیں، کونسی

عبادتیں کر رہے ہیں کہ اس کے باوجود یہ ترقی کر رہے ہیں اور پھر بعض یہ بھی سوچتے ہیں کہ ہم ان سے تو بہتر ہیں کہ اگر پانچ نمازیں فرض ہیں تو پانچ میں سے دو تین نمازیں تو پڑھ ہی لیتے ہیں۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ خدا کو بھولنے والوں کے لئے آخر میں عذاب مقدر ہے تو ان لوگوں کے پیچھے نہ چلیں۔ ہم نے اگر اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچنا ہے اور اپنی نسلوں کو بچانا ہے تو ان کی یہ ظاہری حالت نہ دیکھیں بلکہ اس تعلیم کے مطابق عمل کریں جو خدا تعالیٰ ہم سے چاہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر ایمان کے بعد قیام نماز کا حکم دیا ہے۔ پس ہر احمدی مرد کو بھی، عورت کو بھی، اپنی نمازوں کی حفاظت اور مردوں کو خاص طور پر باجماعت نماز کی ادائیگی کی طرف بہت توجہ دینی چاہئے۔

اس زمانے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نمازوں کی اہمیت، اس کے پڑھنے کے طریق، اس کے فلسفہ کے بارے میں بہت کھول کھول کر بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل فرماتے ہوئے ہمیں آپؑ کو ماننے کی توفیق عطا فرمائی لیکن اس کے باوجود اگر ہم بنیادی چیز پر عمل نہیں کریں گے جیسا کہ مَیں نے کہا اور غیروں کی طرح دو تین نمازوں پر ہی اکتفا کریں گے جس طرح کہ اکثر غیر احمدی بھی اسی طرح کرتے ہیں تو پھر اس بیعت کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

نمازوں کے حوالے سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہمیں کس معیار پر دیکھنا چاہتے ہیں؟ اس بارے میں کس کس طریق سے آپ نے ہمیں سمجھایا ہے؟ اس کے لئے آپ کے کچھ ارشادات پیش کرتا ہوں۔ ایک مومن لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا کلمہ پڑھ کر توحید کا اعلان کرتا ہے۔ اور توحید کیا ہے؟ اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

''پس خوب یاد رکھو اور پھر یاد رکھو کہ غیر اللہ کی طرف جھکنا خدا سے کاٹنا ہے'' (اللہ تعالیٰ سے تعلق ختم کرنا ہے) فرمایا ''نماز اور توحید کچھ ہی ہو'' (خود فرماتے ہیں کہ توحید کے عملی اظہار کا نام ہی نماز ہے۔ توحید کا منہ سے دعویٰ تو کر دیا لیکن توحید کے عملی اظہار کا نام نماز ہے۔) فرمایا ''نماز اور توحید کچھ ہی ہو......، اسی

وقت بے برکت اور بے سُود ہوتی ہے جب اس میں نیستی اور تذلّل کی روح اور حنیف دل نہ ہو''۔ فرمایا ''سنو وہ دعا جس کے لئے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ فرمایا ہے۔(یعنی مجھے پکارو میں تمہیں جواب دوں گا۔)''اس کے لئے یہی سچی روح مطلوب ہے۔''(اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ کے لئے یہ سچی روح مطلوب ہے۔)''اگر اس تضرع اور خشوع میں حقیقت کی روح نہیں تو وہ ٹیں ٹیں سے کم نہیں ہے۔
(ملفوظات جلد 9 صفحہ 12۔ ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)(یعنی طوطا جس طرح بولتا ہے اسی طرح ہے) سچی روح پیدا کرنی چاہئے۔ تضرع اور خشوع پیدا کرنا چاہئے اگر وہ نہیں تو کوئی فائدہ نہیں۔ پس جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ دعا میں عاجزی اور تضرع ہو تو پھر اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ پھر آپ نے یہ وضاحت فرمائی کہ نماز کی مختلف حالتیں جیسے قیام ہے، رکوع ہے، سجدہ ہے۔ یہ سب حالتیں جو ہیں یہ ایک اضطراری حالت کو ظاہر کرتی ہیں۔ ایک بے چینی انسان کی ظاہر کرتی ہیں۔ انسان کبھی اٹھتا ہے کبھی بیٹھتا ہے۔ کبھی سجدے میں جاتا ہے اور ان حالتوں کی وجہ سے جو ظاہری اضطراری حالت ہے فرمایا کہ ان حالتوں کی وجہ سے دل میں سوزش اور اضطراب پیدا ہونا چاہئے۔ دل میں بھی سوزش اور اضطراب پیدا ہونا چاہئے اور جب ایسی حالت ہوگی تو پھر حالت سجدہ میں بھی، قیام میں بھی، رکوع میں بھی پھر لذت اور سرور حاصل ہوگا۔

پھر عبودیت کے مقام اور حقیقی عاجزی اور گناہوں کو جلا کر ختم کرنے والی نماز کی وضاحت فرماتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ:

''انسان کی روح جب ہمہ نیستی ہو جاتی ہے''(ہر وقت عاجزی اور اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھنا ہو جاتی ہے)''تو وہ خدا کی طرف ایک چشمے کی طرح بہتی ہے''(عاجزی پیدا ہوگی تو تبھی خدا کی طرف بہے گی) ''اور ماسوی اللہ سے اسے انقطاع ہو جاتا ہے۔ اس وقت خدائے تعالیٰ کی محبت اس پر گرتی ہے۔'' انسان جب کوشش کر کے اور اللہ تعالیٰ سے فضل مانگتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے تعلق توڑتا ہے تو اس وقت خدا تعالیٰ کی محبت اس پر گرتی ہے اور جب خدا تعالیٰ کی یہ محبت انسان پر گرے تو پھر آپ نے فرمایا کہ گناہ

جل کرختم ہوجاتے ہیں اور پھر نمازوں میں مستقل سرور کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔

(ماخوذ از ملفوظات جلد 9 صفحہ 10۔ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

پس بجائے یہ شکوہ کرنے کے یا دل میں یہ خیال لانے کے کہ ہماری نمازیں ہمیں مزہ نہیں دیتیں، ہمیں اللہ تعالیٰ سے اس خاص تعلق کو پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔اپنی حالتوں کو دیکھیں کہ ہم صرف ٹکریں مار رہے ہیں یا نماز کا حق ادا کر رہے ہیں۔پھر نماز میں نور اور لذت پانے کے طریق کے بارے میں مزید بیان فرماتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ:

''نماز کا التزام اور پابندی بڑی ضروری چیز ہے تا کہ اوّلاً وہ ایک عادتِ راسخہ کی طرح قائم ہو۔'' (ایک ایسی عادت بن جائے جو پکی ہو جائے۔) ''اور رجوع اِلی اللہ کا خیال ہو۔'' (اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کا خیال دل میں ہو۔جب یہ چیزیں ہوجائیں گی، جب پکی عادت ہوجائے گی تو) ''پھر رفتہ رفتہ وہ وقت آجاتا ہے کہ انقطاعِ کُلّی کی حالت میں انسان ایک نور اور ایک لذت کا وارث ہوجاتا ہے۔''

(ملفوظات جلد 9 صفحہ 11۔ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

پھر انسان دنیا سے کٹ جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ پیدا ہوجاتی ہے اور پھر نمازوں میں وہ لذت اور سرور آنی شروع ہوجاتی ہے۔

پس پہلے نماز کی عادت ضروری ہے۔اپنے آپ کو نمازوں کا پابند کرنا ضروری ہے۔چاہے نمازوں کا فائدہ انسان کو ظاہری حالت میں نظر آتا ہو یا نہ لیکن نمازیں بہر حال پڑھنی ہیں کیونکہ یہ فرض ہیں اور یہ سمجھ کر عادت ڈالنی ضروری ہے کہ میں نے ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف ہی رجوع کرنا ہے۔اس کے پاس ہی جانا ہے۔ہر ضرورت کے لئے اسی سے مانگنا ہے۔یہ مستقل مزاجی اگر رہے گی تو پھر ایک وقت آئے گا کہ نمازوں کے حق بھی ادا ہونے شروع ہوجائیں گے۔نمازوں میں لذت بھی آنی شروع ہوجائے گی۔اور پھر بعض لوگ جس طرح پوچھنے پر جواب دیتے ہیں ان کا یہ جواب نہیں ہوگا کہ میں کوشش کرتا ہوں کہ نماز

پڑھوں لیکن سستی ہو جاتی ہے۔ آپ نے ایک موقع پر فرمایا کہ سستی ہوتی ہی اس وقت ہے جب نماز کی اہمیت نہیں ہوتی (ماخوذ از ملفوظات جلد 9 صفحہ 6-7۔ ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان) اور غیر اللہ کو انسان زیادہ اہم سمجھ رہا ہوتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ پر کامل یقین ہے تو کس طرح ہو سکتا ہے کہ سستی ہو۔ پس آج دنیا کے جو حالات ہو رہے ہیں ان کے بداثرات سے اپنے آپ کو اور اپنی نسلوں کو بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف خالص ہو کر جھکنا بہت ضروری ہے اور اس جھکنے کا بہترین ذریعہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اس زمانے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہی بتایا ہے کہ اپنی نمازوں کی ادائیگی اور حفاظت کی طرف ہم توجہ دیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

''یاد رکھو کہ اس سلسلہ میں داخل ہونے سے دنیا مقصود نہ ہو بلکہ خدا تعالیٰ کی رضا مقصود ہو کیونکہ دنیا تو گزرنے کی جگہ ہے وہ تو کسی نہ کسی رنگ میں گزر جائے گی۔'' فارسی کا مصرعہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ''شب تنور گذشت و شب سمور گذشت'' (کہ رات ٹھنڈی ہو یا گرم ہو گزر ہی جاتی ہے۔ حالات اچھے ہوں یا برے ہوں گزر ہی جاتے ہیں۔) فرمایا کہ ''دنیا اور اس کے اغراض اور مقاصد کو بالکل الگ رکھو۔ ان کو دین کے ساتھ ہرگز نہ ملاؤ کیونکہ دنیا فنا ہونے والی چیز ہے اور دین اور اس کے ثمرات باقی رہنے والے۔ دنیا کی عمر بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ ہر آن اور ہر دم میں ہزاروں موتیں ہوتی ہیں۔ مختلف قسم کی وبائیں اور امراض دنیا کا خاتمہ کر رہی ہیں۔ کبھی ہیضہ تباہ کرتا ہے۔ اب طاعون ہلاک کر رہی ہے'' (اُس زمانے میں طاعون پھیلا ہوا تھا) ''کسی کو کیا معلوم ہے کہ کون کب تک زندہ رہے گا۔ جب موت کا پتا نہیں کہ کس وقت آ جائے گی پھر کیسی غلطی اور بیہودگی ہے کہ اس سے غافل رہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ آخرت کی فکر کرو۔ جو آخرت کی فکر کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا میں اس پر رحم کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جب انسان مومن کامل بنتا ہے تو وہ اس کے اور اس کے غیر میں فرق رکھ دیتا ہے۔ اس لئے پہلے مومن بنو اور یہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ بیعت کی خالص اغراض کے ساتھ جو خدا ترسی اور تقویٰ پر مبنی ہیں دنیا

کے اغراض کو ہرگز نہ ملاؤ۔نمازوں کی پابندی کرواور توبہ واستغفار میں مصروف رہو۔نوع انسان کے حقوق کی حفاظت کرواور کسی کودکھ نہ دو۔راستبازی اور پاکیزگی میں ترقی کروتو اللہ تعالیٰ ہر قسم کا فضل کر دے گا۔ عورتوں کو بھی اپنے گھروں میں نصیحت کرو کہ وہ نماز کی پابندی کریں اوران کو گلہ،شکوہ اور غیبت سے روکو۔ پاکبازی اور راستبازی ان کو سکھاؤ۔ہماری طرف سے صرف سمجھانا شرط ہے اس پر عمل درآمد کرنا تمہارا کام ہے۔''

(ملفوظات جلد6 صفحہ 145-146۔ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

غیروں کو سمجھائیں،عورتوں کو سمجھائیں یا بچوں کو سمجھائیں تو اس کے لئے خود بھی پاکبازی اور راستبازی کے نمونے دکھانے ہوں گے۔

پھر فرمایا کہ''پانچ وقت اپنی نمازوں میں دعا کرو۔اپنی زبان میں بھی دعا کرنی منع نہیں ہے۔نماز کا مزا نہیں آتا ہے جب تک حضور نہ ہو۔''(یعنی خاص توجہ پیدا نہ ہو)''اور حضورِ قلب نہیں ہوتا ہے جب تک عاجزی نہ ہو۔عاجزی جب پیدا ہوتی ہے جو یہ سمجھ آجائے کہ کیا پڑھتا ہے۔اس لئے اپنی زبان میں اپنے مطالب پیش کرنے کے لئے جوش اور اضطراب پیدا ہوسکتا ہے۔مگر اس سے یہ ہرگز نہیں سمجھنا چاہئے کہ نماز کو اپنی زبان ہی میں پڑھو۔نہیں،میرا یہ مطلب ہے کہ مسنون اَدعیہ اور اَذکار کے بعد اپنی زبان میں بھی دعا کیا کرو۔ورنہ نماز کے ان الفاظ میں خدا نے ایک برکت رکھی ہوئی ہے۔نماز دعا ہی کا نام ہے اس لئے اس میں دعا کرو کہ وہ تم کو دنیا اور آخرت کی آفتوں سے بچاوے اور خاتمہ بالخیر ہو۔اور تمام کام تمہارے اس کی مرضی کے موافق ہوں۔اپنی بیوی بچوں کے لئے بھی دعا کرو۔نیک انسان بنو۔اور ہر قسم کی بدی سے بچتے رہو۔''

(ملفوظات جلد6 صفحہ 145-146۔ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

اللہ تعالیٰ ہمیں نمازوں کی حفاظت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ان میں باقاعدگی رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اپنی نمازوں کو خالص ہو کر اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہماری نمازوں میں لذت و سرور پیدا فرمائے۔ کبھی ہم اس میں سستی دکھانے والے نہ ہوں اور اس بات کی حقیقت کو ہم سمجھنے والے ہوں کہ آج دنیا کی آفات اور مصیبتوں سے ہم اسی وقت نجات پا سکتے ہیں جب ہم اللہ تعالیٰ کی عبودیت کا حق ادا کرنے والے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے۔

○○